اردو زبان کی



تیسری کتاب

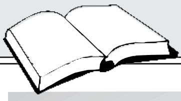
تالیف: مولانا محمد اسماعیل خان صاحب میرٹھی رحمہ اللہ تعالیٰ

تسہیل و کمپوزنگ و ڈیزائننگ: رضوان احمد

ناشر

تعمیرِ معاشرہ جامعہ خُلفائے رَاشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم

مدنی کالونی، ہاکس بے روڈ گریکس، ماڑی پور کراچی 0333-2117851



اردو زبان کی

تیسری کتاب

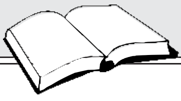
تالیف: مولانا محمد اسماعیل خان صاحب میرٹھی

تسہیل و کمپوزنگ و ڈیزائننگ: ماسٹر رضوان احمد



تعمیر معاشرہ جامعہ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم

مدنی کالونی، ہاکس بے روڈ گریکس، ماڑی پور کراچی 0333-2117851



پیش لفظ

الحمد للہ الذی خلق الإنسان، علمه البیان، والصلاۃ والسلام علی من أوتی جوامع الکلم وعلی اله وصحبه أجمعین.

امابعد! اردو زبان کی اہمیت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔ نئی مسلم پود کے لیے حضرت مولانا محمد اسماعیل خان صاحب میر ٹھی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''اردو زبان کا قاعدہ'' اور ''سلسلہ وار پانچ نصابی کتابیں'' مرتب فرمائیں۔

اس نصاب کی گوناگوں خصوصیات، محاسن اور محامد پر ایک نظر ڈالنے کے بعد کوئی شخص اُسے گلہائے رنگارنگ کا حسین گل دستہ نام دے گا، تو کوئی اُس کو ''کشکول معلومات'' یا ''بچوں کے اردو ادب کا انسائیکلوپیڈیا'' کہے گا۔

یہ کتابیں انسانی زندگی کے بنیادی تمام احوال کو محیط ہے۔ اِن میں بچوں کی دل چسپی اور تفریح طبع کا سامان بھی ہے، مختلف پیشوں اور حرفتوں کا تعارف بھی۔ الغرض یہ کتابیں ایک اعلیٰ درجے کا ادبی شاہ کار ہیں، اِن کے نثری و شعری مضامین دل کو چھو جاتے ہیں، کسی بھی سبق کو لے لیجیے اُس میں انسانیت کا سبق ہوگا، علم و حکمت کی تعلیم ہوگی، ادب اور شائستگی کی تربیت ہوگی، ہر سبق میں لطف اور مزہ ہوگا، چاشنی اور شیرینی ہوگی، عُلوِ ہمت اور بلند حوصلگی ہوگی، اخلاقی پاکیزگی ہوگی، زبان کی صفائی ہوگی اور ذوق کی نفاست ہوگی۔

ان کے پڑھنے سے بچوں کو دلی خیالات کی بہترین تعبیر و ترجمانی کا گُر اور سلیقہ آئے گا۔ ان سے عقل میں وہ شعور آئے گا کہ آج کے یہ بچے کل قوم کے معمار اور ایک اچھے مسلمان ہونے کے ساتھ ساتھ عملی زندگی میں متمدِّن، شائستہ، خوش گفتار، بلند کردار، حوصلہ مند، کریم و شریف اور باذوق ادیب بن سکتے ہیں۔

آپ کے ہاتھوں میں موجود یہ حصہ اسی زرین سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

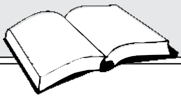
نوٹ: ان کتابوں کی تدریس کے وقت مندرجہ ذیل امور پیشِ نظر رکھیں:

(1) چونکہ یہ نصابی سلسلہ ہمارے علم کی حد تک ملک عزیز پاکستان میں رائج و شائع نہیں ہے لہٰذا فی الوقت اس کی اہمیت کے پیش نظر صرف مواد کے جمع کرنے پر اکتفاء کیا گیا ہے، اعراب اور حرکات لگانے کا کام مستقل اشاعت پر موقوف ہے۔ اساتذۂ کرام سے درخواست ہے کہ تدریس کے وقت صحیح اعراب اور حرکات کی پہچان میں اردو لغت کی معتبر کتب مثلاً فرہنگ آصفیہ، فیروز اللغات وغیرہ پر اعتماد کریں۔

(2) دورانِ تدریس کسی بھی قسم کی غلطی، اصلاحی مشورہ اور اہم امور کو نوٹ کرتے رہیں اور اگر ہو سکے تو تصحیح شدہ و نشان زدہ نسخہ کے ہمراہ ہمیں یہ امور مندرجہ ذیل پتہ پر ارسال فرما کر اس عظیم صدقہ جاریہ کے کام میں معاون بنیں۔ واجر کم علی اللہ۔

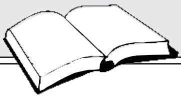
اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کتابوں کی جمع، ترتیب اور تسہیل میں جن جن احباب کا تعاون و مشاورت شاملِ حال رہی ان کو شایانِ شان اجر جزیل و عظیم نصیب فرما کر اس سلسلے کو عام اور تام فرمائیں اور خاص اپنی رضا کا ذریعہ بنائیں۔ آمین

کتبہ: ماسٹر رضوان احمد
جامعہ خلفائے راشدین ہاکس بے روڈ گریکس ماری پور کراچی نمبر ۱۳
0313-8349485, 0333-2117851

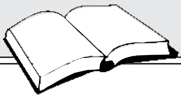


فہرست

نمبرشمار	عنوانات	صفحہ
۱	خدا کی تعریف	6
۲	پرہیزگاری	7
۳	اطاعت	7
۴	ریشم	8
۵	ایک مور اور کلنگ	9
۶	ناریل کا درخت	10
۷	ورزش	10
۸	ایک ایماندار لڑکا	11
۹	گھوڑا	12
۱۰	حکایت	12
۱۱	حسد	13
۱۲	چائے	14
۱۳	دلیری	15
۱۴	تھوڑا تھوڑا بہت ہوجاتا ہے!	16
۱۵	ایک عرضی	17
۱۶	پھر کوشش کرو	18
۱۷	نیل	20
۱۸	حکایت	21
۱۹	کھانا پینا اور سونا	22



۲۰	اب آرام کرو!	23
۲۱	پانی کی شکلیں	24
۲۲	ایک کسان	25
۲۳	راجہ بکرماجیت	26
۲۴	دھات	27
۲۵	ایک وقت میں ایک کام	32
۲۶	ہوا چلی	33
۲۷	انسان کا بدن	33
۲۸	دال کی فریاد	35
۲۹	ایک خط	37
۳۰	رات	37
۳۱	گنّا	38
۳۲	مطالعہ اور آموختہ	40
۳۳	احکایت	42
۳۴	معافی اور انتقام	43
۳۵	معاش	45
۳۶	نمک	47
۳۷	صبح کی آمد	48
۳۸	سچ کی تاثیر	50
۳۹	سچ اور جھوٹ	52
۴۰	ماں کی ممتا	53
۴۱	تندرستی	54



۴۲ ہَوا 55

۴۳ پانی 55

۴۴ غذا 56

۴۵ لباس 57

۴۶ موسم 58

۴۷ زمین 58

۴۸ مکان 58

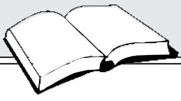
۴۹ غسل 59

۵۰ آدمی 60

۵۱ ملمع کی انگوٹھی 61

۵۲ ریل گاڑی 62

۵۳ زراعت 63



(۱) خدا کی تعریف

تعریف اُس خدا کی جس نے جہاں بنایا — کیسی زمیں بنائی کیا آسماں بنایا

پیروں تلے بچھایا کیا خوب فرش خاکی — اور سر پہ لاجوردی اک سائباں بنایا

مٹی سے بیل بوٹے کیا خوش نما اُگائے — پہنا کے سبز خلعت اُن کو جواں بنایا

خوش رنگ اور خوش بو گل پھول ہیں کھلائے — اس خاک کے کھنڈر کو کیا گلستاں بنایا

میوے لگائے کیا کیا خوش ذائقہ رسیلے — چکھنے سے جن کے ہم کو شیریں دہاں بنایا

سورج سے ہم نے پائی گرمی بھی روشنی بھی — کیا خوب چشمہ تو نے اے مہرباں بنایا

سورج بنا کے تو نے رونق جہاں کو بخشی — رہنے کو یہ ہمارے اچھا مکاں بنایا

پیاسی زمیں کے منہ میں مینہ کا چوایا پانی — اور بادلوں کو تو نے مینہ کا نشاں بنایا

یہ پیاری پیاری چڑیاں پھرتی ہیں جو چہکتی — قدرت نے تیری انکو تسبیح خواں بنایا

تنکے اٹھا اٹھا کر لائیں کہاں کہاں سے — کس خوب صورتی سے اپنا پھر آشیاں بنایا

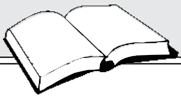
اونچی اڑیں ہوا میں بچوں کو پر نہ بھولیں — اُن بے پروں کا اِن کو روزی رساں بنایا

کیا دودھ دینے والی گائے بنائی تو نے — چڑھنے کو میرے گھوڑا کیا خوش عناں بنایا

رحمت سے تیری کیا کیا ہیں نعمتیں میسر! — ان نعمتوں کا مجھ کو کیا قدرداں بنایا!

آبِ رواں کے اندر مچھلی بنائی تو نے — مچھلی کے تیرنے کو آب رواں بنایا

ہر چیز سے ہے تیری کاری گری ٹپکتی — یہ کارخانہ تو نے کب رائگاں بنایا



(۲) پرہیزگاری

جب انسان کی صحت میں خلل پڑتا ہے تو وہ تمام لذتوں، خوشیوں اور مفید نعمتوں سے محروم ہو جاتا ہے۔ ہم کو نہایت احتیاط کے ساتھ اپنی تندرستی کی حفاظت کرنی چاہیے؛ کیوں کہ یہ حفاظت اس مصیبت سے آسان ہے جو بیماری کے دُور کرنے میں بھگتنی پڑتی ہے۔ تندرستی کی حفاظت اس طرح ہوسکتی ہے، کہ ہم اُن باتوں اور اُن چیزوں سے بچتے رہیں جو تندرستی میں خلل ڈالنے والی ہیں بری آب وہوا، ناموافق غذا، بے موقع محنت اور بے اندازہ کھانے پینے سے ہم کو ہمیشہ پرہیز کرنا چاہیے۔ جس طرح ظاہر کی بد پرہیزی سے انسان کے بدن میں دکھ درد پیدا ہو جاتا ہے، اسی طرح باطن کی بد پرہیزی سے اُس کے دل کو طرح طرح کے روگ لگ جاتے ہیں۔

جو شخص بری بات، بے ہودہ کام اور ناقص خیال سے پرہیز نہیں کرتا اس کا دل درست نہیں رہتا، نہ اس کو نیکی میں مزہ آتا ہے، نہ اس کو نیک کام سے خوشی حاصل ہوتی ہے؛ بلکہ بدی، شرارت اور گنہگاری سے اُس کو رغبت ہو جاتی ہے۔

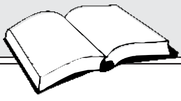
ہم کو ظاہر اور باطن دونوں قسم کی پرہیزگاری اختیار کرنی چاہیے؛ کیوں کہ پرہیزگاری ہی تمام نیکیوں اور خوبیوں کی اصل ہے۔

(۳) اطاعت

اطاعت بھی عجیب چیز ہے، اسی کی بہ دولت وحشی جانور انسان کے گروہ میں جگہ پاتے ہیں؛ ہاتھی، اونٹ گھوڑے گدھے وغیرہ کو آدمی کیوں عزیز رکھتا ہے؟ کس لیے اُن کی خدمت کرتا ہے؟ اسی واسطے کہ وہ آدمی کے مطیع ہو جاتے ہیں، اُس کی مرضی کے مطابق کام دیتے ہیں۔

انسانوں میں وہی عزت، دولت، رتبہ منصب پاتا ہے جو اپنے بزرگوں اور حاکموں کی اطاعت، آقاؤں اور استادوں کی فرماں برداری کرتا ہے، ان کی مرضی کے آگے اپنی مرضی نہیں چلاتا۔

جو بچے ماں باپ کا کہنا مانتے ہیں وہ سب آفتوں سے امن میں رہتے ہیں، جو استادوں کی مرضی پر چلتے ہیں وہ آدمیت اور انسانیت اور علم و ہنر سیکھتے ہیں، جب جوان ہو جائیں گے بڑا رتبہ پائیں گے، جو بچے مرضی کے خلاف



کرتے ہیں وہ کیسے ہی ذہین اور چالاک ہوں، ہمیشہ بے ہنر اور بےنصیب رہیں گے۔

عیش، خوشی اور چین چان اُسی گھر میں ہوتا ہے جس گھر کے چھوٹے اپنے بزرگوں کی اطاعت دل سے کرتے ہیں، جس خاندان میں بزرگوں کا لحاظ نہیں وہاں اتفاق اور محبت بھی نہیں سب کی زندگی بےلطفی سے گذرتی ہے۔

نوکری، ملازم، ماتحت وہی کام کا ہے جو اپنے آقا اور افسر کی ہدایت پر چلتا ہے، اُس کے حکم کی تعمیل بلا عذر کرتا ہے، وہی فوج فتح پاتی ہے جو اپنے سردار کے اشاروں پر کام کرتی ہے، وہی کارخانہ رونق پاتا ہے جس کے ملازم مالک کی اِطاعت کرتے ہیں۔

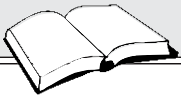
وہی ملک مالا مال اور نہال ہوتا ہے جہاں کی رعایا اپنے بادشاہ کا ادب، حاکموں کی اطاعت اور قانون کی پابندی کرتی ہے، جہاں کی رعایا سرکش اور نافرمان ہوتی ہے وہاں بےامنی تباہی، بربادی اور مفلسی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

(۴) ریشم

ریشم ایک کیڑے کے معدے کا لعاب ہے: اس کیڑے کو" کِرم پیلہ " کہتے ہیں، وہ بہت ہوشیاری اور احتیاط سے شہتوت کے درختوں پر پالا جاتا ہے، جب اُس کی پتیاں کھا کر خوب موٹا تازہ ہو جاتا ہے تو اس کے منہ سے ایک مہین تار نکلنے لگتا ہے۔

اب کرم پیلہ پتے پر گھر بنانا چاہتا ہے اس لیے اپنے منہ سے تار تننا شروع کرتا ہے، اور اپنے تاروں کے تانے بانے میں خود پوشیدہ ہو جاتا ہے، مگر اندر ہی اندر اپنا کام جاری رکھتا ہے، یہاں تک کہ وہ فاختہ کے انڈے کے برابر ہو جاتا ہے۔ اُس گول چیز کو ریشم کا کویا کہتے ہیں جس کے اندر کیڑا مرجاتا ہے، اور جو اُس کا گھر تھا وہی اُس کا مقبرہ بن جاتا ہے، لیکن کبھی کیڑا صحیح سلامت بھی نکلتا ہے، جب وہ زندہ رہتا ہے تو پردار بن کر کوئے کو کاٹ کر باہر آتا ہے، اس صورت میں کویا ناکارہ ہو جاتا ہے، اُس کا ریشم نہیں بنتا۔ کوئے کو اول گرم پانی میں جوش دیتے ہیں، پھر چرخی میں اوٹ لیتے ہیں، وہی ریشم کہلاتا ہے، اُسی کے تاروں سے عمدہ انفیس اور بیش قیمت ریزے تیار ہوتے ہیں: اَطلس، گلبدن، قناویز وغیرہ ریشم ہی سے بُنے جاتے ہیں، جو امیروں، رئیسوں کے لباس میں کام آتے ہیں۔

بنگالے میں ریشم پیدا کرنے کے کارخانے کئی جگہ ہیں، لیکن قدیم زمانے سے چین کا ریشم مشہور و معروف ہے، وہیں سے دنیا کے دور دراز حصوں میں جاتا ہے۔



کسی زمانہ میں روم، یعنی: اٹلی کے باشندے بڑے دولت منداور عیش پسند تھے، نہایت رغبت اور خواہش کے ساتھ ایشیا کے ملکوں سے ریشمی کپڑا منگاتے اور اپنی پوشاکیں بناتے تھے، روم کے ایک بادشاہ کو خیال آیا کہ اگر یہ بیش بہا چیز ہمارے ہی ملک میں پیدا ہونے لگے تو بڑی منفعت حاصل ہو۔

اس منصوبے کے پورا کرنے کو شاہِ روم نے دو قاصد چین کی طرف روانہ کیے، انھوں نے بڑی چالاکی سے اپنا مقصد حاصل کیا، چند کیڑے وہاں سے چرائے اور ایک بانس کی لاٹھی میں چھپا کر اپنے ملک میں لائے، کہتے ہیں: کہ اُس وقت سے روم میں بھی ریشم پیدا ہونے لگا۔

(۵) ایک مور اور کلنگ

دم مور نے پھول کر دکھائی — اور بولا کلنگ سے: کہ بھائی!

کیا خوب ہیں ہیں نقش اور کیا رنگ! — دنیا مجھے دیکھ کر ہوئی دنگ!

میری سی کہاں ہے آپ کی دُم — کر سکتے نہیں مقابلہ تم

بولا اُس سے کلنگ ہنس کر: — ہاں! آپ کے لاجواب ہیں پر

لیکن نہیں کچھ بھی کام آتے — بچوں ہی کے دل کو ہیں لبھاتے

اڑنے نہیں دیتی دُم تمھاری — لیتے ہیں پکڑ تمھیں شکاری

یہ کہہ کر پروں کو پھڑپھڑا کے — بولا اونچا ہوا پہ جا کے:

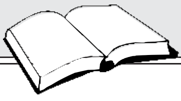
آؤ کریں آسماں کا پھیرا — کچھ دم ہے تو ساتھ دو نہ میرا

منہ اپنا سا لے کے رہ گیا مور — تھا اُس میں کہاں اُڑان کا زور!

بھاتا ہے جنھیں نیرا دکھاوا — وہ لوگ ہیں مور کے بھی باوا

بس اُن کو ہے ٹیپ ٹاپ کی دُھن — شیخی کے سوا نہیں کوئی گُن

دیکھیں کسے یاد ہے زبانی — مور اور کلنگ کی کہانی



(۶) ناریل کا درخت

ناریل کا درخت جزیرۂ سری لنکا میں کثرت سے ہوتا ہے، اُس کی شکل تاڑ سے مشابہ ہے، اول اس میں کلیاں آتی ہیں، پھول کھلتے ہیں، پھر پھل لگتا ہے جو گولا سا ہوتا ہے، وہ گولا ایک سخت خول لکڑی کا ہے جس کے اوپر ریشہ دار غلاف چڑھا رہتا ہے، اُس کے اندر سفید عرق دودھ کے مانند بھرا ہوتا ہے، وہ عرق رفتہ رفتہ غلیظ ہو کر جم جاتا ہے، وہ کھوپرا کہلاتا ہے اور بطور میوے کے کھایا جاتا ہے۔

سری لنکا والوں کی زندگی کا بڑا دارومدار اسی درخت پر ہے، اس کا عرق پیتے ہیں، کھوپرا کھاتے ہیں، کھوپرے کا روغن نکالتے ہیں، اس کو گھی کی جگہ چاولوں میں ڈال کر نوش کرتے ہیں، اس کے ہرے پتوں پر کھانا کھاتے ہیں، پتوں کی رسّی بنا کر کنویں سے پانی کھینچتے ہیں، اس کا ریشہ کوٹ کر جال بُنتے ہیں، اس کے عرق سے تاڑی اور سرکہ بھی تیار کرتے ہیں، عرق سے ایک قسم کی شکر بھی بناتے ہیں، قہوے کے ساتھ ناریل کی شکر اور ناریل ہی کا دودھ ملا کر پیتے ہیں، ناریل کے خول سے حقہ، چائے نوشی کے پیالے اور چراغ بناتے ہیں، اور چراغ میں ناریل ہی کا تیل جلاتے ہیں، شادیوں میں اس کے پھولوں کے ہار پہنتے ہیں، اس کی شاخوں کے ڈنٹھل کو کھود کر ڈبیاں بناتے ہیں۔

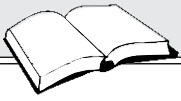
ستر برس کے بعد یہ درخت بڈھا ہو جاتا ہے، بڑھاپے کی علامت یہ ہے کہ پھر اس میں پھل نہیں آتا، اس وقت یہ پرانا خادم کاٹا جاتا ہے، اس کی لکڑی سے کڑیاں اور ستون بناتے ہیں؛ دروازے، کھڑکیاں، کرسیاں، صندوقچے اور دوسری کارآمد چیزیں تیار کرتے ہیں، غرض یہ درخت لنکا کے باشندوں کا بڑا ہی شفیق و مربی ہے۔

(۷) ورزش

ورزش انسان اور حیوان سب کے لیے مفید ہے، وہ اعضا کی قوت اور جسم کی صحت کو برقرار رکھتی ہے۔

جب اعضا بے کار رہتے ہیں تو اُن کی قوت روز بروز زائل ہونے لگتی ہے، اسی طرح ایک قسم کی محنت کرتے کرتے اُکتا جاتا ہے، طبیعت سست اور کُند ہو جاتی ہے؛ مگر ورزش کرنے سے اعضا کی قوت بحال رہتی ہے، اور بجھی طبیعت میں تازگی آجاتی ہے۔

تازہ اور صاف ہوا میں ورزش کرنے سے ہاضمے کی قوت بڑھتی ہے، ہاضمے کی درستی سے تمام جسم چست وقوی



رہتا ہے، جن لوگوں کو جسمانی مَشقت یا ورزش کی عادت نہیں اُن کو اکثر بھوک کم لگتی ہے؛ اسی لیے ضعیف و ناتواں رہتے ہیں۔

جو آدمی نفیس غذائیں کھاتے ہیں مگر جسمانی ریاضت نہیں کرتے، وہ اُن لوگوں سے کمزور ہوتے ہیں جو سادہ غذا کھاتے ہیں، مگر ایسی مشقت کرتے ہیں جس میں تمام اعضا پر زور پڑتا ہے۔

کاشت کار اور مزدور اسی سبب سے زیادہ مضبوط اور طاقت ور ہوتے ہیں، کہ وہ اپنے پیشے کی ضرورت سے کشادہ میدان کے اندر جسمانی محنت میں مصروف رہتے ہیں؛ غرض سو دوا کی ایک دوا ورزش ہے۔

ے   دوا کوئی ورزش سے بہتر نہیں   یہ نسخہ ہے کم خرچ بالا نشیں

(۸) ایک ایماندار لڑکا

ایک لڑکا ہے بڑا ایمان دار   آزمائش ہو چکی ہے چند بار

ایک دن وہ نیک دل اور باحیا   اپنے ہمسایہ کے گھر میں تھا گیا

آدمی بالکل نہیں واں نام کو   کیوں کہ ہمسایہ گیا ہے کام کو

تازہ تازہ بیر ڈلیا میں بھرے   بے حفاظت گھر کے اندر ہیں دھرے

آ گیا اتنے میں ہمسایہ وہاں   کھیل میں مصروف ہے لڑکا جہاں

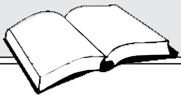
اپنے بیروں میں نہ پائی کچھ کمی   ہو کے خوش لڑکے سے بولا آدمی:

بیر یہ تم نے چرائے کیوں نہیں؟   کیوں چراتا چور تھا کیا میں کہیں!

چور جب بنتے کہ کوئی دیکھتا   دیکھنے کو میں ہی خود موجود تھا

کچھ برائی آپ میں گر پاؤں میں   پانی پانی شرم سے ہو جاؤں میں

واہ وا شاباش! لڑکے واہ وا   تو جواں مردوں سے بازی لے گیا



(۹) گھوڑا

گھوڑا نہایت باتمیز، قوی، چالاک اور خوب صورت چوپایہ ہے، اس سے انسان کو بہت کچھ منفعت اپنے کاروبار میں حاصل ہوتی ہے: سواری بھی دیتا ہے، بار برداری کے بھی کام کا ہے، گاڑی اور توپ گھسیٹتا ہے، یورپ میں وہی ہل چلاتا ہے، لڑائی کے میدان میں انسان کا بڑا رفیق ہے۔

اس کے اَیال اور دُم ہوتی ہے، اپنے چاروں پاؤں سے چلتا ہے، اس کی چال رہوار، دُلکی، پویا اور سرپٹ کہلاتی ہے، اس کے سُم بیلوں کی طرح دولخت نہیں ہوتے، وہ پتھریلے اور سخت رستوں میں چلنے سے گھس جاتے ہیں، سُم کی حفاظت کے لیے لوہے کے نعل جڑ دیے جاتے ہیں۔

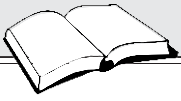
اس کے مختلف رنگ ہوتے ہیں اور اکثر وہ اپنے رنگ کے نام سے بولا جاتا ہے، جیسے: کمیت، سرنگ، سمند، سبزہ، شرغہ، نقرہ، اَبلق، مشکی؛ کبھی گھوڑا اپنے ملک کے نام سے مشہور ہوتا ہے، مثلاً ترکی، تازی، عراقی، پہاڑی، کاٹھیاواڑی وغیرہ۔ عرب کا گھوڑا تازی کہلاتا ہے، وہ بے نظیر مشہور ہے، بڑا چالاک، جان دار اور نہایت اصیل ہوتا ہے، ایسا گھوڑا دنیا کے کسی اور خطے میں نہیں پایا جاتا؟ عرب کے لوگ گھوڑے کو نہایت احتیاط اور ہوشیاری سے پرورش کرتے ہیں، اس کو اولاد کی طرح عزیز رکھتے ہیں کبھی چابک نہیں مارتے، بلکہ آواز یا باگ کے اشارے سے کام لیتے ہیں، اور قومیں جو عمدہ طریقہ پر پرورش نہیں جانتیں وہ اپنے گھوڑوں کو زدوکوب کر کے بدمزاج اور ٹرّا بنا دیتی ہیں۔

اب دنیا میں صحرائی گھوڑے بہت کم رہ گئے ہیں، صرف ایشیا اور امریکہ کے بعض حصوں میں صحرائی گلے پائے جاتے ہیں، جب ان کے سونے کا وقت ہوتا ہے تو دو ایک گھوڑے تمام گلہ کی پاسبانی کیا کرتے ہیں، کوئی خطرہ پیش آتا ہے تو فوراً سوتوں کو ہوشیار کر دیتے ہیں۔

(۱۰) حکایت

ایک گھوڑا اور ہرن دونوں ایک ہی چراگاہ میں چرا کرتے تھے، کسی بات پر باہم نِفاق ہوگیا، ہرن نے اپنے نکیلے سینگوں سے مار کر گھوڑے کو چراگاہ سے خارج کر دیا، اب اُس کو یہ فکر ہوئی کہ کسی طرح دشمن سے انتقام لیجیے۔

گھوڑے نے سوچا میں تنہا اپنے مخالف پر غالب نہ آسکوں گا: اس لیے انسان سے مدد کا طالب ہوا، انسان نے



اُس کے دشمن کو واجبی سزا دینے کا اقرار کیا لیکن اس کی شرط پر کہ اس کے منہ میں لگام دے، پشت پر زین کسے، اور اُس پر سوار ہو کے چلے۔

گھوڑے کے دل میں فتنے کی آگ بھڑک رہی تھی، وہ ان سب باتوں پر رضا مند ہو گیا اور انسان کو اپنی پشت پر سوار کر کے دشمن کے مقابلے کو لایا، اور بہت جلد اس کو شکست دے کر تمام چراگاہ پر قبضہ کر لیا۔

جب اس طرح گھوڑے کی دِلی مُراد بر آئی، تو اُس نے انسان کی حمایت اور رفاقت کا بہت بہت شکریہ ادا کر کے رخصت چاہی، انسان نے اُس کی باگ پکڑ لی اور کہا: اے رفیق! میں تیری خوبیوں سے محض ناواقف تھا، آج تجربہ ہوا کہ تو ایسا مفید اور کار آمد جانور ہے، میں چاہتا ہوں کہ تجھ کو اپنی خدمت میں رکھوں، اور یوں جنگل میں آوارہ نہ پھرنے دوں۔

غرض انسان نے گھوڑے کو اگاڑی پچھاڑی لگا تھان پر باندھ لیا، گھاس دانے کا راتب مقرر کیا، اور اُس سے سواری اور بار برداری کا کام لینے لگا، اُس وقت گھوڑے کو معلوم ہوا، کہ خصومت اور نفاق کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم دونوں اُس عیش و آزادی سے محروم ہو گئے جو چراگاہ میں حاصل تھی۔

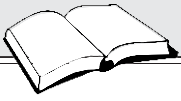
رُباعی

؎ جب تک کہ سبق ملاپ کا یاد رہا	بستی میں ہر ایک شخص دل شاد رہا
جب رشک وحسد نے پھوٹ اُن میں	ڈالی دونوں میں سے ایک بھی نہ آباد رہا

(۱۱) حسد

جو آدمی تنگ دل ہوتے ہیں وہ اوروں کی بہتری دیکھ نہیں سکتے، خاص کر اپنے عزیزوں، دوستوں یا ہم پیشوں کو اچھی حالت میں پاتے ہیں تو جل بُھن کر خاک ہو جاتے ہیں، ایسے آدمیوں کو حاسد اور اس کم بخت عادت کو "حسد" کہتے ہیں۔

حاسد آدمی اپنے سوا سب پر آفت و زوال چاہتا ہے، لیکن اُس کا چاہا نہیں ہوتا؟ اس لیے وہ ہمیشہ رنج و کلفت میں مبتلا رہتا ہے۔ اُس کی یہ بری عادت ایک خدائی مار ہے، جو ہر دم اُس کی گردن پر سوار ہے۔



حاسد جو اوروں کی تباہی اور بربادی چاہتا ہے وہ اکثر اپنی بھلائی اور ترقی کی میں کوشش نہیں کرتا، اُس کو اپنے بنانے کی اتنی فکر نہیں ہوتی جتنی دوسروں کے بگڑنے کی آرزو ہوتی ہے؛ اس لیے وہ روز بروز کاہل ہوتا جاتا ہے، اور یہ کاہلی اُس کو خدا کی نعمتوں سے محروم رکھتی ہے۔

جب حسد کی بیماری زور پکڑ جاتی ہے تو حاسد علانیہ لوگوں کی بدخواہی کرتا ہے، وہ لوگوں کے گلے شکوے، غیبت اور بدگوئی میں مصروف رہتا ہے، تہمت لگانے اور بہتان باندھنے سے بھی نہیں چوکتا، اس لیے حسد کا انجام عداوت ہے، اور عداوت بھی ایک دو سے نہیں ؛ بلکہ ہر خوش نصیب اُس کا دشمن ہے۔

ؔ حاسد کو ایک دم نہیں راحت جہان میں

رنج و حسد ہے، جان ہے جب تک کہ جان میں

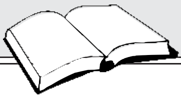
(۱۲) چائے

چائے ایک درخت کی پتی ہے جس کی کاشت ملک چین میں کثرت سے ہوتی ہے، وہاں ہر آدمی چائے کا ایک باغیچہ رکھتا ہے، جتنی چائے اپنے گھر کے صرف سے بچ رہتی ہے اُس کو فروخت کر کے اور ضروری سامان خرید لیتا ہے۔

کچھ مدت سے ملک آسام اور دامنِ ہمالہ کے بعض مقامات میں چائے کے باغ لگائے گئے ہیں، وہاں سے لاکھوں روپے کی چائے دوسرے ملکوں کو جاتی ہے۔

چائے کا درخت بڑی حفاظت اور کوشش سے پرورش پاتا ہے: اول ایک قِطعہ میں بیج بو کر پودہ تیار کرتے ہیں، پھر اُس کو اکھیڑ کر بڑے وسیع قِطعوں میں برابر فاصلے پر قطار در قطار جما دیتے ہیں، وہی چائے کا باغ کہلاتا ہے۔

جب اُس کا درخت تین سال کا ہو جاتا ہے تو پتی چُننی شروع کرتے ہیں، صدہا مزدور: عورتیں اور مرد اس کام میں مشغول رہتے ہیں، سال میں تین بار پتی چُنی جاتی ہے، پھر ہری پتی کڑھاؤ میں ڈال کر بھونتے ہیں، ایک آنچ دے کر میزوں پر پھیلا دیتے اور اُس کے گولے گولے بنا کر مٹھیوں سے خوب نچوڑ دیتے ہیں، نچوڑنے کے بعد اُس کو ہوا میں پھریرا کر کے دوسری بار کڑھاؤ میں بھونتے ہیں، اب پتیاں چُرمُر ہو کر ایسی ہو جاتی ہیں جیسی تم بکتی ہوئی دیکھتے ہو۔ چائے کی زراعت نہایت خوش نما ہوتی ہے، اس کا پھول نہایت خوشبودار اور سفید مثل جنگلی گلاب کے ہوتا ہے،



جب پھول کھلتے ہیں تو دور تک جنگل معطر ہو جاتا ہے، ہوا کے جھونکے چلتے ہیں تو عجب بھینی بھینی بو آتی ہے، چائے کی دو قسمیں ہیں: ایک سیاہ، دوسری سبز، چینی سیاہ کو پسند کرتے ہیں، اور روسی سبز کو۔

(۱۳) دلیری

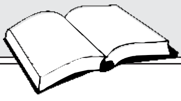
جس وقت کوئی دشواری یا خطرہ پیش آئے یا آفت و مصیبت کا سامنا ہو، اگر انسان اُس وقت اپنی ذات پر بھروسہ کر کے اور اپنی رائے اور تدبیر سے اُن خطروں اور آفتوں کے دفع کرنے پر آمادہ ہو، تو اس خصلت کو دلیری کہتے ہیں۔

دلیری سے ثابت قدمی اور استقلال پیدا ہوتا ہے، استقلال کے وسیلے سے مشکلیں آسان ہوتی ہیں، جس کام کو آدمی شروع کرتا ہے اس کو تمام کر کے چھوڑتا ہے، دلیری انسان کو بڑے بڑے کاموں کا حوصلہ دلاتی اور کامیابی کی راہی سجھاتی ہے، دلیری ہی وہ چیز ہے جو آدمی کو ادنی درجے سے اعلیٰ رتبے پر پہنچاتی ہے۔

دلیری دشمنوں کے حملے، ظالموں کے ظلم اور شریروں کی شرارت سے بچاتی ہے، دلیری ہی سے انسان اپنے نفع، اپنے حق اور اپنی عزت و حرمت کی حفاظت کرتا ہے، دلیری سے صبر و تحمل پیدا ہوتا ہے جو آدمی کو مصیبتوں پر غالب اور فتح مند بنا دیتا ہے۔ شاید تم نے دیکھا ہو کہ انجن کے نیچے آگ جلاتے ہیں جس سے بھاپ بنتی ہے، بھاپ کی روک تھام سے باقاعدہ حرکت پیدا ہوتی ہے، اس حرکت سے بڑے بڑے کام نکلتے ہیں، اسی طرح غصہ آدمی کے دل میں ایک طاقت پیدا کرتا ہے، جب عقل اس طاقت کو اپنے قابو میں رکھتی ہے تو آدمی سے دلیری کی خصلت ظاہر ہوتی ہے۔

جب غصہ حد سے زیادہ بڑھتا ہے تو عقل سلامت نہیں رہتی، انجام کی فکر اور نیک و بد کی تمیز اُٹھ جاتی ہے، اس جوش میں وہ ایسی نامعقول حرکتیں کر بیٹھتا ہے کہ غصہ فرو ہونے کے بعد اُس کو خود ندامت ہوتی ہے، بدلہ اور انتقام کا خوف دل پر چھا جاتا ہے، ایسے آدمی سے دوست، آشنا نفرت کرنے لگتے ہیں، دشمن اُس کی بے ہودگی پر ہنستے اور خوش ہوتے ہیں۔

غصے کی حرارت کا بالکل مر جانا بھی بُرا ہے، جب یہ حرارت آدمی کے دل کو نہیں اُبھارتی تو وہ بودا اور ڈرپوک، کم ہمت، سست اور بے غیرت بن جاتا ہے، اگر دشمن اُس کی حق تلفی یا ہتک کرے تو وہ ذلت کے ساتھ گوارہ کرتا ہے۔

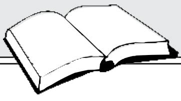


کوئی آفت یا خطرہ سامنے آئے تو اس کے اوسان خطا ہو جاتے ہیں، ایسا آدمی کسی دشوار کام کو انجام نہیں دے سکتا، اس لیے انسانیت کی تمام خوبیوں سے محروم رہتا ہے۔

ے نہ حلوا بن، کہ چٹ کر جائیں بھوکے — نہ کڑوا بن کہ جو چکھے، سو تھوکے

(۱۴) تھوڑا تھوڑا بہت ہو جاتا ہے!

بنایا ہے چڑیوں نے جو گھونسلا — سو ایک ایک تنکا اکٹھا کیا
گیا ایک ہی بار سورج نہ ڈوب — مگر رفتہ رفتہ ہوا ہے غروب
گئیں لحظے لحظے میں عمریں گزر — قدم ہی قدم طے ہوا ہے سفر
سمندر کی لہروں کا تانتا سدا — کنارے سے ہے آکے ٹکرا رہا
اسی طرح دریا سے اٹھتی ہے موج — سدا کرتی رہتی ہے دھاوا یہ فوج
کناروں کو آخر گراہی دیا — چٹانوں کو بالکل صفا چٹ کیا
برستا جو مینہ موسلادھار ہے — سو یہ مٹھی بوندوں کی بوچھار ہے
درختوں کے جھنڈ اور جنگل گھنے — یوں ہی پتے پتے سے مل کر بنے
ہوئے ریشے ریشے سے بن اور جھاڑ — بنا ذرے ذرے سے مل کر پہاڑ
لگا دانے دانے سے غلے کا ڈھیر — پڑا لمحے لمحے سے برسوں کا پھیر
جو ایک ایک پل کر کے دن کٹ گیا — تو گھڑیوں ہی گھڑیوں برس گھٹ گیا
لکھا لکھنے والے نے ایک ایک حرف — ہوئیں گڈیاں کتنی کاغذ کی صرف
ہوئی لکھتے لکھتے مُرتب کتاب — اسی پر ہر ایک شے کا سمجھو حساب
جلا ہے نے جوڑا ہے ایک ایک تار — ہوئے تھان جس کے گزوں سے شمار
ہر ایک علم وفن او کرتب ہنر — نہ تھا ابتداہی سے اس ڈھنگ پر



مگر بڑھتے بڑھتے ترقی ہوئی	جو نیزہ ہے اب تھا وہ پہلے سوئی
یوں ہی پھوئیوں پھوئیوں بھرے جھیل تال	یوں ہی کوڑی کوڑی ہوا جمع مال
اگر تھوڑا تھوڑا کرو صبح و شام	بڑے سے بڑا کام ہووے تمام

(۱۵)ایک عرضی

بحضور صاحب کلکٹر بہادر، ضلع: بلند شہر

بدرخواست عہدہ: پٹواری گری

جناب عالی!

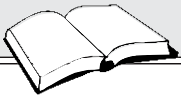
کمترین کے والدِ محترم مسمی سلیم خان، جس نے ۲۰ سال تک پٹواری گری کی، خدمت نیک نامی کے ساتھ انجام دی تھی، پانچ سال کا عرصہ گذرا کہ وہ قضائے الٰہی سے فوت ہوگیا، اُس وقت فدوی مدرسے میں تعلیم پا رہا تھا، اتنی عمر اور لیاقت نہ رکھتا تھا، کہ اپنے والد کی خدمت کو کافی طور سے انجام کرسکتا؛ اس لیے حاکموں کے حضور میں اپنی پرورش کی درخواست کرنا فضول سمجھا، لیکن امسال فدوی نے کی میڈل کلاس کا امتحان پاس کیا، اور اُسی وقت سے پیمائش نقشہ کشی اور کاغذات پٹواری کے مرتب کرنے کا طریقہ اپنے ایک رشتے دار سے جو ? اس کام میں بخوبی ہوشیار ہے ? سیکھتا رہا، اور اس بات کا منتظر تھا کہ کسی مناسب موقع پر حضور میں درخواست اپنی پیش کرے، اب دریافت ہوا ہے کہ موضع جلال پور اور جھاجھر کے پٹواری کا عہدہ خالی ہوا ہے؛ اس لیے کمترین نہایت ادب کے ساتھ التماس کرتا ہے، کہ جس وقت موضع مذکور کے لیے پٹواری تجویز کیا جائے، تو فدوی کے خاندانی استحقاق پر، اور نیز اُس کی ناچیز لیاقت پر جو سندوں کے ملاحظہ سے ظاہر ہوگی، توجہ فرمائی جائے۔

فقط ۲/ مارچ ۱۸۵۹ء

عرضی گزار

فدوی وقاص بن سلیم خان

تحصیل و ضلع ٹانک، ڈیرہ اسماعیل خان



(۱۶) پھر کوشش کرو

ذہن اور حافظہ دماغی قوتیں ہیں، بعضے دماغ قدرت نے ایسے بنائے ہیں، کہ اُن میں یہ قوتیں تیز ہوتی ہیں اور بعض میں مدھم، جس کا ذہن تیز ہوتا ہے وہ بات کو جھٹ پٹ سمجھ سکتا ہے، جس کا حافظہ قوی ہوتا ہے وہ فوراً یاد کر لیتا ہے اور دیر تک یاد رکھ سکتا ہے۔

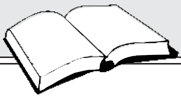
ذہن و حافظے کی خوبی ایک خداداد نعمت ہے، مگر جب تک کہ انسان اس نعمت کا شکر ادا نہیں کرتا، کوئی فائدہ اس سے حاصل نہیں کر سکتا، اس کا شکر محنت اور کوشش ہے، دیکھو! ایک چالاک گھوڑا ایک میل کا سفر بھی طے نہیں کرتا جب تک تھان پر بندھا ہے، ایک عمدہ پرزوں کی گھڑی ہرگز وقت نہیں بتاتی جب تک کُوکی نہیں جاتی، ایک تیز رَو کشتی دریا کے کنارے کبھی نہیں پہنچتی جب تک اپنے مقام سے حرکت نہیں کرتی، یہی حال ذہن اور حافظے کا ہے، وہ کیسا ہی اچھا ہو مگر بدون کوشش اور محنت کے کچھ سودمند نہیں۔

ایک معمولی ذہن اور حافظے کا آدمی اگر پورے طور سے برابر کوشش کیے جائے، تو وہ ترقی کی دوڑ میں اچھے ذہن اور حافظے والوں سے پیچھے نہیں رہتا؟ لیکن بڑی بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ جن کو خدا نے اچھا ذِہن اور حافظہ عطا کیا ہے وہ اکثر اپنی تیزی کے غرور میں کافی محنت اور پوری کوشش نہیں کرتے، اسی سبب سے وہ مات کھا جاتے ہیں؛ مگر جو محنت ہی کو راحت سمجھتے ہیں اور اپنے کام کی دھن میں لگے رہتے ہیں، وہ کیسے ہی غبی ہوں پھر بھی بازی جیت لیتے ہیں۔ آؤ! ایک صحیح صحیح قصہ سنائیں جس کو پڑھ کر تم خود سمجھ لوگے، کہ کوشش کے ذریعے سے ایک غبی لڑکا اپنے مدرسے میں کیوں کر نامور ہو گیا۔

وہ قصہ یہ ہے:

کسی قصبے کے مدرسے میں ایک لڑکا تھا نہایت غبی، نہایت کند ذہن، جس کو آموختہ کبھی یاد نہیں رہتا تھا، وہ عادت خصلت کا بُرا نہ تھا، کھلاڑی اور شریر بھی نہ تھا، بدشوق بھی نہ تھا؛ البتہ اپنے ذہن اور حافظے کی کمی پورا کرنے کا طریقہ نہیں جانتا تھا، اسی سبب سے وہ نہایت رنجیدہ اور بے دل رہتا تھا۔

شاید ہی کوئی روز ایسا ہوتا ہو کہ اُس کو استاد کی ناراضی سے شرمندہ ہونا نہ پڑتا ہو، یہ ایک ایسی ذلت تھی کہ وہ اپنے ہم جماعت لڑکوں سے بھی ہر وقت جھینپتا تھا، یہاں تک کہ اُس کو کھیل کے گھنٹے میں اور لڑکوں کی سی خوشی اور دل لگی ہرگز



نصیب نہیں ہوتی تھی، روز بہ روز اُس کی نا امیدی بڑھتی جاتی تھی، اور وہ اکثر یوں خیال کرتا تھا کہ غالباً خدا نے مجھ کو لکھنے پڑھنے کے واسطے پیدا نہیں کیا۔

ایک روز صبح سویرے مکتب میں حاضر ہوا، اگر چہ اُس کے حق میں یہ صبح سب سے زیادہ سخت اور ہول ناک تھی، مگر خدا کی مرضی یوں تھی کہ یہی صبح اُس کی خوش نصیبی کی پہلی صبح ہو گئی، آج اُس کو آموختہ بالکل یاد نہ تھا، استاد نے جتنے سوال کیے اُن میں سے ایک کا بھی صحیح جواب نہ دے سکا، جب کام ختم ہوا تو استاد نے معمول سے زیادہ غیرت دلائی، اور صاف کہہ دیا کہ تم خوب کوشش نہ کرو گے تو مجھ کو اندیشہ ہے کہ تم دنیا میں کسی قابل نہ بن سکو گے۔

وہ لڑکا یہ باتیں سن کر نہایت غم زدہ سا ایک طرف جا بیٹھا، اور اوپری دل سے اس بُھولے ہوئے سبق کو پھر دیکھنے لگا؛ کیوں کہ اُس کے دل پر سخت صدمہ تھا، تمام بدن پسینے پسینے ہو رہا تھا، نہایت مایوس ہو کر اپنے ساتھی سے جو اس کے قریب بیٹھا تھا چپکے چپکے کہنے لگا: کیا کوشش کروں! مجھ کو یاد تو رہتا ہی نہیں؛ شاید پڑھنا میرے مقسوم میں نہیں۔

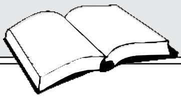
اُس کے ہم سبق نے کہا: بھائی جان! یاد نہیں رہتا تو کچھ مضائقہ نہیں! کوشش کرو اور پھر کرو؛ مگر خدا کے واسطے ہمت نہ ہارو، لڑکے نے جواب دیا: صاحب کوشش تو کرتا ہوں مگر سب اکارت ہو جاتی ہے، اب اس کے سوا کوئی صورت نظر نہیں آتی کہ پڑھنا چھوڑ دوں، اُس کے نیک دل ہم سبق نے پھر نرمی اور مہربانی سے کہا: اے عزیز! جو ہو سو ہو، ایک بار تو اور کوشش کر دیکھے۔ اگر چہ اُس غبی لڑکے کا دل ٹوٹ گیا تھا، مگر مہربان ہم نشین کی اس صدا نے کہ "پھر کوشش کرو! پھر کوشش کرو! اُس کا ڈھارس بندھایا، اب وہ ایک بار اور کوشش کرنے پر مُستعِد ہو گیا، رفتہ رفتہ اُس نے معلوم کیا کہ الفاظ اور فقرے ذہن نشین ہونے لگے، پھر تو اس کی ہمت بڑھ گئی، اور تھوڑی دیر میں سارا سبق از بر کر لیا۔

وہ اس کامیابی سے ایسا بشاش ہوا کہ گویا اُس نے ایک بڑا بھاری خزانہ پا لیا، اُس کو زیادہ خوشی اس بات کی تھی، کہ وہ آئندہ بھی اپنے ہر ایک سبق کو اسی طرح جی لگا کر کوشش کرے گا تو یاد کر سکے گا، وہ جلدی سے اٹھا، اور بہت ادب کے ساتھ استاد کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

استاد: اب کیا چاہتے ہو؟

لڑکا: جناب میں چاہتا ہوں کہ مہربانی فرما کر میرا سبق پھر سن لیجیے۔

استاد: تم کس برتے پر درخواست کرتے ہو؟ آدھ گھنٹہ بھی تو نہیں گذرا کہ تم سنانے کھڑے ہوئے تھے مگر ایک



لفظ بھی نہ سنا سکے۔

لڑکا: بے شک جناب! اُس وقت مجھ کو یاد نہ تھا، مگر اب تو خدا کے فضل سے میں اچھی طرح سنا سکتا ہوں، اور امید ہے کہ آپ جو کچھ دریافت فرمائیں گے اُس کا ٹھیک جواب دے سکوں گا۔

استاد: خیر، سناؤ!

لڑکے نے تمام سبق اس سِرے سے اُس سِرے تک فرفر سنا دیا، اور سب ٹھیک سنایا نہ کچھ بُھولا نہ کہیں کا، جو بات پوچھی گئی اُس کا معقول جواب دیا، استاد نے بہت خوشی ظاہر کی اور کہا: کہ اگر اسی طرح آئندہ بھی کوشش کرو گے تو میں امید کرتا ہوں کہ تم ایک لائق طالب علم بن جاؤ گے، پھر تو اُس کا یہ حال ہو گیا کہ مدرسہ میں کوئی لڑکا ایسا نہ تھا جو اُس سے بہتر سبق یاد کر کے لاتا ہو۔

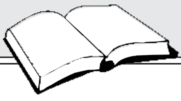
(۱۷) نیل

نیل کا پودا کچھ بہت اونچا نہیں ہوتا تخمیناً دو گز کے قریب بلند ہوتا ہے، اُس کے پتوں کی شکل کچھ بیضوی سی ہوتی ہے، پتوں کے جوڑے شاخ کی دونوں طرف نکلتے ہیں۔

جب پودے میں کلیاں پھوٹنے کا وقت آ جاتا ہے تو اُس کو کاٹ لیتے ہیں، اور گٹھے گٹھے باندھ کر ایک بڑے حوض کے اندر ڈال دیتے ہیں، جو خاص اسی غرض کے لیے چونے گچ سے تعمیر کیا جاتا ہے، وہ گٹھے اتنی مقدار سے ڈالے جاتے ہیں کہ تین چوتھائی حوض بھر جائے۔

نیل کے گٹھے جو حوض کے اندر ڈالے جاتے ہیں اُن کے اوپر لمبی لمبی بھاری کڑیاں وغیرہ لادی جاتی ہیں؛ تاکہ وہ اُن کے بھاری بوجھ سے دبے رہیں اور جب حوض میں پانی چھوڑا جائے تو اس کی سطح پر تیرنے نہ لگیں، پھر حوض کو پانی سے اس قدر بھرتے ہیں، کہ وہ پودے جو کڑیوں کے نیچے دبائے گئے ہیں بالکل پانی میں غرق ہو جائیں۔

جب پودوں کو بھیگے ہوئے چند روز ہو جاتے ہیں تو اس پانی کی رنگت میں زردی جھلکنے لگتی ہے، اس وقت موری کی ڈاٹ جو حوض کی تہ میں ہوتی ہے کھول دی جاتی ہے، اور تمام پانی حوض میں چلا جاتا ہے، پہلے حوض کی بہ نسبت نشیب میں بنا ہوتا ہے۔



اب اس زردی مائل پانی کو جو نیچے کے حوض میں آ گیا ہے لمبی لکڑیوں اور بانسوں کے ذریعے سے بلونا شروع کرتے ہیں، اس ترکیب سے باہر کی ہوا ہے پانی میں شامل ہو جاتی ہے، اور زرد رنگ کے ذروں کو جو پانی کے اندر گھلے ہوئے ہیں نیلا بنا دیتی ہے۔

جب پانی خوب نیلا ہو جاتا ہے تو اُس کو چھوڑ دیتے ہیں؛ تا کہ نیل کے ذرے تہ نشین ہو جائیں، پھر اوپر اوپر کا صاف پانی ایک موری کی راہ سے باہر نکال دیا جاتا ہے، اور نیلی گاد باقی رہ جاتی ہے جس کو جوش دے کر پانی سکھا لیتے ہیں۔

اب نیل کی ٹکیاں دبا دبا کر بنائی جاتی اور بہت حفاظت کے ساتھ وزن کر کے لکڑی کے صندوقوں میں بند کی جاتی ہیں، اور جہاں اُن کی گاہکی ہوتی ہے، وہاں سر بند صندوق روانہ کر دیے جاتے ہیں۔

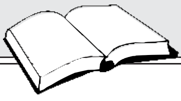
نیل رنگنے کے کام آتا ہے، اُس کی بڑی قیمت ہوتی ہے، کبھی کبھی دوسو، اڑھائی سو روپیہ من کے حساب سے فروخت ہوتا ہے، جس سال نیل گراں بکتا ہے نیل کے کارخانے والوں کو بڑی منفعت حاصل ہوتی ہے؛ مگر جب ارزاں ہو جاتا ہے یا پیداوار اچھی نہیں ہوتی تو خسارہ بھی بہت ہوتا ہے یہاں تک کہ کارخانہ پٹ ہو جاتا ہے۔

نیل خاص کر ہندوستان میں پیدا ہوتا ہے، بنگالے میں اس کی کاشت بہت ہوتی ہے، اور وہاں نیل بنانے کے بہت سے کارخانے ہیں، اب کسی قدر ملک امریکہ کے گرم حصوں میں بھی بویا جانے لگا ہے۔

(۱۸) حکایت

کوئی شکاری ایک تنگ منہ والے برتن میں تھوڑی سی مٹھائی ڈال کر چپکے سے جنگل میں رکھ آیا، ایک بندر نے اُس کو دیکھا، پاس جو گیا تو مٹھائی نظر آئی، فوراً برتن کے منہ میں ہاتھ ڈالا اور مٹھی بھر کے مٹھائی نکالنی چاہی، لیکن اب نکلے تو کیوں کر نکلے؟ نہ برتن کا منہ کشادہ ہو سکتا ہے نہ وہ بندھی مٹھی کھولتا ہے، اُس کو نہ طمع اجازت دیتی ہے، نہ عقل رہ نمائی کرتی ہے کہ مٹھائی سے دست بردار ہو اور اپنی جان بچائے، آخر شکاری آیا اور بندر کو گرفتار کر لیا۔

بعینہ یہ مثال اُن لوگوں پر صادق آتی ہے جو مال کی محبت میں مبتلا ہو جاتے ہیں؛ یہاں تک کہ وہ بڑا صیّاد یعنی موت اُن کو گرفتار کر کے لے جاتا ہے۔



(۱۹) کھانا پینا اور سونا

انسان غذا کی بدولت تازہ وتوانا ہوتا اور بڑھتا ہے،اس کی خوراک کی خاص چیزیں گیہوں، چنا، چاول، میوہ، ساگ پات، دودھ، گھی ہیں۔

انسان بخوبی زندہ رہ سکتا ہے اگر حیوانی اور نباتی غذا ملا کر کھاتا رہے۔ حیوانی غذائیں وہ ہیں جو حیوانات کے جسم سے حاصل ہوتی ہیں، مثلاً: دودھ، گھی وغیرہ؛ نباتی غذائیں وہ ہیں جو درختوں سے یا سبزہ سے پیدا ہوتی ہیں۔

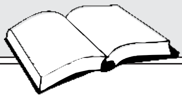
درخت اور سبزہ سے جو خوراک آدمی کو ملتی ہے اُن میں سے بعض تخم ہیں، مثلاً: گیہوں، چنا، مٹر، ماش، مونگ وغیرہ؛ بعض پھل ہیں، مثلاً: کدو، توری، بینگن، خربوزہ، تربوز وغیرہ؛ بعض جڑیں ہیں، جیسے: گاجر، آلو، شلغم، چقندر، پیاز وغیر؛ بعض پتے ہیں، جیسے میتھی، پالک، سویہ، پودینہ، ہرا دھنیا وغیرہ؛ بعض پھول ہیں، جیسے: گوبھی کا پھول، کچنال کی کلیاں وغیرہ۔

حیوانی غذائیں اور غلہ آدمی کی اصلی خوراک ہیں؛ کیوں کہ ان سے گوشت، پوست اور ہڈی کو مدد پہنچتی ہے، مگر ترکاریاں اور ساگ ایندھن کا کام دیتی ہیں، وہ بدن میں حرارت بڑھاتی ہیں، اُس حرارت سے کھانا ہضم ہوتا ہے اور آدمی زندہ رہتا ہے، اگر ہری ترکاری بالکل نہ ملے تو بعض بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

دودھ نہایت لطیف ونفیس غذا ہے، اس میں وہ سب چیزیں شامل ہیں جو انسان کی زندگی قائم رکھنے کے واسطے ضروری ہیں، قدرت نے کیا حکمت سے یہ مفید عرق تیار کیا ہے جس میں کھانا اور پانی دونوں شامل ہیں، اور انسان کو ہر حالت میں نفع بخشتا ہے: بچہ، جوان، بڑھا، تندرست، بیمار سب کے مزاج کے موافق ہے۔

جو غذا ہم کھاتے ہیں وہ معدے میں پہنچ کر پکتی ہے، اُس میں سے جو کار آمد حصہ ہے وہ خون بن کر بدن میں رہ جاتا ہے، باقی فضول حصے خارج ہو جاتے ہیں، مگر ایک بار جس قدر خون بنتا ہے وہ ہمیشہ کے لیے کافی نہیں؛ کیوں کہ ہر وقت صرف ہوتا رہتا ہے، کچھ حصہ سانس اور پسینے کی راہ سے باہر نکل جاتا ہے۔

آدمی کے بدن میں سے کچھ نہ کچھ ہر وقت گھٹتا اور تحلیل ہوتا ہے، اس لیے اُس کو تازہ مدد پہنچانے کی ضرورت ہے، اس ضرورت کی خبر ہم کو بھوک دیتی ہے؟ گویا بھوک معدے کی آواز ہے کہ اب مجھ کو غذا پہنچاؤ، معدے کو بے اندازہ بھرنا نہ چاہیے، اس سے ہضم میں فتور پڑتا ہے، غذا معدے کے اندر سڑ جاتی ہے، اُس وقت آدمی سست اور بیمار



ہو جاتا ہے۔

؎ نہ کھاؤ اتنا زیادہ کہ ڈال دے بیمار — نہ اتنا کم ہو کہ ناطاقتی ہی ڈالے مار

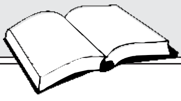
پانی بھی انسان کے لیے ضروری چیز ہے، بغیر اس کے غذا معدے میں گلتی اور گھلتی نہیں، جب معدہ اور بدن کو پانی کی خواہش ہوتی ہے تو ہمیں پیاس لگتی ہے، نہایت صاف ستھرا اور ٹھنڈا پانی پینا چاہیے، گندا اور ناصاف پانی آدمی کی صحت میں خلل ڈالتا ہے، چائے اور قہوے کا پینا بھی مفید ہے، مگر نشیلی چیزوں کا پینا نہایت مضر ہوتا ہے، اس سے ہمیشہ پرہیز واجب ہے۔

بعض آدمیوں کو تمبا کو پینے یا کھانے کی لت پڑ جاتی ہے، اس سے کچھ فائدہ نہیں، جو دام اُس میں صرف ہوتے ہیں وہ محض بے کار جاتے ہیں، اس کے علاوہ بڑی مضرت یہ ہے کہ وہ آدمی کے دماغ اور نگاہ کو خراب کرتا ہے، خاص کر بچوں کو نہایت احتیاط لازم ہے، کبھی بھول کر حقے کو منہ نہ لگائیں۔

آدمی کی زندگی کے لیے سونا بھی ایسا ہی ضروری ہے جیسے کہ کھانا اور پینا، سونے سے بدن راحت پاتا اور تروتازہ ہو جاتا ہے، اگر راحت میسر نہ آئے تو آدمی مرجائے، جوان کی بہ نسبت بچوں کو سونے کی زیادہ حاجت ہے، بچہ جتنا چھوٹا ہوتا ہے اُسی قدر زیادہ سوتا ہے، سوتے میں ہم اکثر خواب دیکھتے ہیں، خواب کیا ہے؟ وہ ہمارے ہی خیالات ہیں جو اس وقت ہمارے دماغ میں گذرتے ہیں۔

(۲۰) اب آرام کرو!

جُھٹ پٹا سا ہو گیا ہے شام کا — صاحبو! یہ وقت ہے آرام کا
قصد چڑیوں نے بسیرے کا کیا — ڈھونڈتی ہیں اپنا اپنا گھونسلا
دیکھنا سورج سے چھپنے کے قریب — تھم گئے چلتے مسافر بھی غریب
لو! کبوتر بھی گرے پر جوڑ کر! — لیں گے اپنے چھوٹے بچوں کی خبر
شام کو بستی سے جنگلوں کی طرف — اُڑ چلے کوے بھی مل کر صف بہ صف
دن میں جو آواز تھی مدھم پڑی — بھنبھناہٹ مکھیوں کی کم پڑی!



انور دن بھر قلانچیں بھر چکے | اپنا اپنا کام پورا کر چکے
وہ جو گٹ گٹ کر رہی تھیں مرغیاں | ڈھونڈتی ہیں اپنے ڈربے کا نشاں
بھیڑ، بکری، اونٹ، گھوڑا، گاؤ، خر | آن پہنچے اپنے اپنے تھان پر
اب ہوا کے تیز جھونکے رُک گئے | سو گئے پیڑ اور پتے جھک گئے
لو سویرے تک ہمارا بھی سلام | وقت ہے نا وقت کیا کیجیے کلام
اب کہاں باقی ہے موقع کام کا | صاحبو! یہ وقت ہے آرام کا

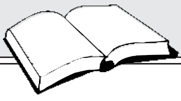
(۲۱) پانی کی شکلیں

ہوااور روشنی کے مانند دنیا میں پانی بھی ایک عام چیز ہے، سمندروں اور جھیلوں میں بھرا پڑا ہے، روئے زمین کا تین چوتھائی حصہ پانی میں پوشیدہ ہے۔

پہاڑوں سے چھوٹے چھوٹے نالے، ندیاں، سیلاب جاری رہتے ہیں، وہی باہم مل جل کر بڑے دریا بن جاتے ہیں، پانی تالابوں اور حوضوں میں بھی بھرا رہتا ہے کہیں اس کو کُنواں کھود کر نکالتے ہیں، کہیں چشموں اور سوتوں سے اُبلتا ہے۔

وہ حرارت پا کر بھاپ بن جاتا ہے، آفتاب کی گرمی دن بھر تری اور خشکی کو تپاتی اور پانی کو بھاپ بنا کر ہوا میں اڑاتی ہے، جب وہ ہوا میں شامل ہو کر نظر سے غائب ہو جاتا ہے تو ہم اس کو بخار کہتے ہیں۔

جوں جوں رات بھیگتی ہے خنکی ہوتی جاتی ہے، اس وقت پانی کے ابخرے جو ہوا میں شامل ہیں کسی قدر دریاؤں، جھیلوں اور گھاٹیوں کے آس پاس ہوا میں اُدھر رہتے ہیں، اُن کو کُہر کہتے ہیں، کسی قدر پہاڑیوں کی چوٹیوں پر جم جاتے ہیں، اُن کو پالا بولتے ہیں، مگر پانی کی بڑی مقدار دھنی ہوئی روئی کے پھلوں کی مانند ہوا میں اڑتی پھرتی ہے، اُس کو ہم بادل یا ابر کہتے ہیں۔ تم نے بوڑھیوں کی زبانی ضرور سُنا ہوگا کہ بادل سمندر سے پانی پی کر آتے ہیں، کیا تم خیال کرتے ہو کہ وہ کوئی جانور ہیں! یہ خیال بالکل غلط ہے، بادل حقیقت میں چھوٹے چھوٹے قطرے اسی پانی کے



ہیں جس کو تم پیتے اور کام میں لاتے ہو۔

پانی کے چھوٹے قطرے جو ابر کی شکل میں نظر آتے ہیں، جب وہ باہم مل جل کر موٹے اور وزنی ہونے لگتے ہیں تو پھر ہوا اُن کا بوجھ سنبھال نہیں سکتی، اُس وقت وہ پھُہار یا بوندوں کی صورت میں زمین پر گرنے شروع ہوتے ہیں، اُسی کو ہم مینہ یا بارش کہتے ہیں۔ جب سخت سردی ہوتی ہے تو پانی جم کر پتھر کی مانند ہو جاتا ہے، اُسی کو ہم برف کہتے ہیں، سرد ملکوں میں جب کڑاکے کا جاڑا پڑتا ہے، تو سمندر جھیل، تالاب اور ندی کی سطح پر ایک طبقہ برف کا بن جاتا ہے کبھی پانی اوپر ہی سے جما جمایا برستا ہے،

اس کو ہم اُولا کہتے ہیں، اور جب پانی کی بھاپ جم جاتی ہے تو وہ پالا کہلاتی ہے۔

اس بیان کو پڑھ کر تم سمجھ لوگے کہ گرمی سردی کی تاثیر سے پانی کیا کیا شکلیں بدلتا ہے: بھاپ، کُہرا، اُوس، بادل، اُولا، برف؛ یہ سب اسی کی شکلیں ہیں، کیا قدرت ہے خدا کی جو ایک ہی چیز کو اتنی شکلوں میں ظاہر کرتا ہے!۔

(۲۲) ایک کسان

چند سال گذرے کہ ایک کسان گنگا کے کنارے کسی چھوٹے سے مزرعہ میں آباد تھا، اس غریب کے پاس ایک گائے تھی، ایک برس ایسا سخت قحط پڑا کہ گائے کے واسطے گھاس کا تنکا بھی میسر نہ آیا۔

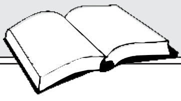
کسان کو سخت تردُّد ہوا، کہ گائے مرگئی تو کیوں کر زندگی بسر ہوگی؟ پھر اتنا سہارا بھی عیال واطفال کو نہ رہے گا، کہ دودھ پی کر دم تھام لیں، کچھ دیر تک ہر قسم کی تدبیریں سوچتا رہا، آخر کار اس کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آیا، کہ چارہ کہیں سے چُرا کر لائے یا گائے سے ہاتھ اُٹھائے۔

وہ رات کے وقت ایک ہمسایہ کسان کے کھیت میں جا گھسا، اور اُس کی گری میں سے چارہ چُرانا شروع کیا، جب یہ ناجائز کام کر رہا تھا، خود اس کی زبان سے نکلا:

ے ایمان بڑی چیز ہے دنیا میں پر افسوس! کیا کیجیے جب جان کی جوکھوں نہ سہی جائے
اب گائے کو رکھتا ہوں، تو ایمان ہے جاتا ایمان کو رکھتا ہوں، تو ہاتھوں سے چلی گائے

اُس نے پھر تامل کیا کہ میں کیا کام کر رہا ہوں! فوراً جہاں سے چارہ اٹھایا تھا وہیں رکھ دیا اور کہنے لگا:

ے ایمان سلامت ہے تو ہے اُس خدا سے مرتی ہے اگر گائے تو مر جائے بلا سے!



بھوکی گائے کو یاد کر کے پھر اُس کا جی بھر آیا، اور سوچنے لگا کہ ہائے! کیوں کر اس کی جان بچاؤں؟ اس کو مر جانے دوں تو بچوں کو کیا کھلاؤں؟ یہ سوچ کر پھر گری میں سے چارہ نکالا اور مستعد ہوا کہ بوجھ سر پر لے چلے، جس وقت وہ بوجھ اٹھانے کو جھکا ہے، ایک آواز کان میں آئی:

ے چارے پر ایمان کو قربان نہ کر نہ کر نادان! او کام یہ برا ہے

غریب کسان کو معلوم نہ ہوا کہ یہ آواز کس کی ہے؟ مگر جو ہدایت اس غیبی آواز میں بھری ہوئی تھی وہ اُس کے دل میں اثر کر گئی، حیا کی خصلت جو انسان کو اور ہر برے فعل سے بچاتی ہے، اس کی طبیعت میں تازہ ہوگئی، وہ چوری سے باز رہا اور اپنے آپ کو ملامت کرتا گھر کی طرف چل دیا۔

دوسرے دن وہ حیرت زدہ سا رہ گیا، جب دیکھا کہ وہی ہمسایہ چری کا بھاری گٹھا لیے اس کے دروازے پر کھڑا ہے، پہلا لفظ جو اُس نے کہا یہ تھا:

ے فکر اب کچھ نہ کرنا اے یار لے گائے کی چوری میں کیا دھرا ہے! ایمان ہے تو سب کچھ

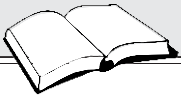
وہ بھی عجیب وقت تھا! غریب کسان کو فوراً معلوم ہو گیا کہ رات کی کارروائی سے میرا ہمسایہ ضرور واقف ہے، وہ خاموش تھا، مگر شرمندگی اور خوشی کی بھری نگاہوں سے نیک ہمسائے کا شکریہ ادا کر رہا تھا۔

اتفاق یوں ہوا کہ رات کو اس کا ہمسایہ اپنے کھیت پر موجود تھا، اور ایک پوشیدہ جگہ میں بیٹھا تمام ماجرا دیکھتا رہا، وہ غیبی آواز اسی ہمسایہ کی آواز تھی، اگر چہ ممکن تھا کہ وہ اُسی وقت اپنی رحم دلی ظاہر کرتا مگر اس نے یہی مناسب سمجھا کہ اپنے غریب اور مایوس ہمسایہ کو یکا یک خوش کرے۔

(۲۳) راجہ بکرماجیت

بکرماجیت راجپوت خاندان کا نہایت گرامی راجہ ہوا ہے، اگر چہ اس کے زمانہ کو ساڑھے انیس سو برس کے قریب ہوئے، مگر ہندوستان کی اعلیٰ قوموں میں اب تک اس کا نام زندہ ہے، اُجین، جو مالوہ کی سرزمین میں اب بھی ایک مشہور و معروف شہر ہے، اس کا پایۂ تخت تھا۔

دانش مندی، انصاف اور شجاعت میں یہ راجہ افضل گنا جاتا ہے، اس نے فقیرانہ بھیس بدل کر مدت تک سیر و سیاحت کی، اور غیر ممالک والوں کے علم و ہنر اور عقل و حکمت کو خوب دیکھا بھالا، پچاس برس کی عمر میں ملک گیری کا



ارادہ کیا، مالوہ اور گجرات کا خطہ چند مہینوں میں فتح کرلیا، اور بہت تھوڑے عرصے میں وہ ہند کا مہاراجہ بن گیا۔

راجہ بکر ماجیت کا دربار تو بڑی شان وشوکت کا تھا، مگر اُس کی اپنی گذران کا طریقہ ایسا سیدھا سادھا بے تکلف تھا، جیسا بڑے پرہیزگاروں اور درویشوں کا ہوتا ہے، وہ ایک بوریے پر سوتا، اور پانی کی ایک ٹھلیا کے سوا کچھ سامان اپنے مکان میں نہ رکھتا۔

اس گیانی اور گنی راجہ کی سبھا میں بڑے بڑے مشہور عالم، فاضل اور شاعر شریک تھے، جو اُس کی سبھا کے نورتن کہلاتے تھے، کالی داس جو ہندوستان کا نام ور شاعر ہوا ہے، وہ بھی اس راجہ کی سبھا کا ایک رتن تھا، انصاف اور شجاعت سے جو شہرت راجہ کو حاصل ہوئی علم کی حمایت اور عالموں کی قدر دانی نے اس کو اور بھی چمکا دیا۔

راجہ نے اپنی قوم کے دشمنوں پر بڑی فتح حاصل کی تھی، اس لیے اُس کا عہد نہایت مبارک سمجھا گیا۔

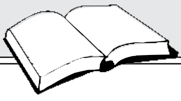
اب تم غور کرو! کہ ایسا بڑا راجہ کس مختصر سامان سے اپنی زندگی بسر کرتا تھا، بے شک انسان کو گذران کرنے کے لیے بہت تھوڑا سامان کافی ہے، لیکن عیش وآرام کی ہوس طرح طرح کے فضول سامان جمع کراتی ہے، اور جب کسی چیز کی آدمی کو عادت ہو جاتی ہے تو وہ چیز ضروری بن جاتی ہے، پھر اس میں کچھ مزہ نہیں آتا، اُس وقت انسان کو دوسری چیزوں کی طلب ہوتی ہے۔ غرض جتنا عیش کا سامان بڑھتا ہے اسی قدر خواہش کو ترقی ہو جاتی ہے، اور وہ بھی پوری نہیں ہوسکتی۔

(۲۴) دھات

دھات صاف اور چمک دار ہوتی ہے، مگر شیشے کی طرح نظر اس کے آر پار نہیں گزر سکتی، اس کا وزن بھی اور چیزوں سے زیادہ ہوتا ہے، مثلاً: لوہا بنسبت مٹی اور پانی کے بھاری ہے، ایک خاصیت دھات کی یہ ہے کہ کُوٹنے سے چوڑی اور چپٹی پڑ جاتی ہے، مٹی یا پتھر کی طرح ریزہ ریزہ نہیں ہو جاتی، وہ حرارت سے پگھل جاتی ہے، مگر لکڑی کے طور پر جلتی نہیں، اس کا تار کھینچو تو بہت لمبا کھینچ سکتا ہے۔

دھات زمین کے اندر سے نکلتی ہے، جہاں سے کھود کر اُس کو نکالتے ہیں وہ کان یا معدن کہلاتی ہے، اور جو دھات کان سے نکلتی ہے اُسی کے نام سے مشہور ہوتی ہے، جیسے لوہے کی کان، تانبے کی کان وغیرہ۔

کئی قسم کی دھاتیں دنیا میں پائی گئی ہیں: اُن میں سے پلاٹینم، سونا، چاندی کم یاب اور بیش قیمت ہیں، ان تینوں



میں یہ بھی بڑا وصف ہے کہ ان کو زنگ نہیں لگتا؛ آگ، پانی اور ہوا کی تاثیر سے ان کی آب وتاب میں کچھ خلل نہیں پڑتا، اسی خوبی کی وجہ سے ان تینوں کو اصیل، اور باقی کو رذیل دھات کہتے ہیں۔

(۱) پلاٹینم

یہ دھات دنیا میں بہت کم ملتی ہے، چاندی کی مانند اجلی اور لوہے کی مثال سخت ہوتی ہے، اس کا تار سب سے زیادہ باریک اور دراز بن سکتا ہے، وزن میں سونا سب سے زیادہ بڑھیا ہے؛ مگر یہ اُس سے بھی وزنی ہے، چناں چہ ہم مقدار خالص پانی سے ۲۲ گنی بھاری ہوتی ہے، اس کا پگھلانا بھی مشکل ہے، سب دھاتوں سے زیادہ حرارت چاہتی ہے، گھڑی کے نہایت مہین اور عمدہ پرزے اسی دھات کے بنائے جاتے ہیں؛ کیوں کہ وہ بہت پائیدار ہوتے ہیں۔

(۲) سونا یا طلا

رنگ میں نہایت خوش نما، وزن میں سب سے اعلیٰ، خالص پانی سے 19 گنا بھاری ہوتا ہے، اس کے ذرے آپس میں نہایت پیوستہ ہیں، اسی وجہ سے زیادہ وزنی ہے، کوٹنے پیٹنے سے بہت بڑھ سکتا ہے طبق گر جب دو چمڑوں کے بیچ میں رکھ کر اس کو ہتھوڑے سے کوٹتے ہیں، تو ایسے ہلکے اور مہین ورق بن جاتےہیں کہ پھونک مارو تو ہوا میں اُڑ جائیں۔

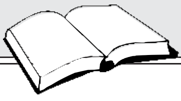
سونے کی اشرفی بنتی ہے جس پر شاہِ وقت کا سکہ ہوتا ہے، انواع واقسام کے زیورات اس کے بنائے جاتے ہیں، امیروں اور بادشاہوں کے بعض برتن بھی سونے کے ہوتے ہیں۔

سونے کا ملمع خوب ہوسکتا ہے، اگر ایک چاندی کے تار پر سونا لپیٹ کر اُس کو بڑھانا شروع کریں، تو جس قدر لمبا ہوتا جائے گا سونا بھی اُس پر پھیلتا جائے گا، یہاں تک کہ 9 میل لمبے تار کے واسطے ایک تولہ سونا کافی ہے۔

سونے میں ایک یہ بھی وصف ہے کہ وہ بہت سخت نہیں ہوتا، لیکن سیسے اور رانگ کی طرح بہت نرم بھی نہیں، اس کا مزاج نرمی اور سختی میں معتدل ہے؛ اسی سبب سے اس پر ٹھپہ خوب پڑتا ہے۔

سونے کا کھرا کھوٹا پن اس کے وزن سے ٹھیک ٹھیک معلوم ہوسکتا ہے، اگر ایک ہی قد وقامت کی دو اشرفیاں ہوں، اور اُن میں ایک کچھ ہلکی ہو، تو سمجھ لو کہ یقیناً اُس میں کسی دوسری دھات کا میل ہے۔

سونے کی کانیں زیادہ تر جنوبی امریکہ ساحل افریقہ، یورپ اور آسٹریلیا میں ہیں، بعض ملکوں کے اندر دریا کی



ریت میں سونے کے ذرات ملے ہوئے پائے جاتے ہیں۔

(۳) چاندی

یہ تیسرے درجے کی اصیل دھات ہے، سفید اور اُجلی تو ہے، لیکن سونے کی صفائی، پائیداری اور چمک دمک کو نہیں پہنچتی، کوٹنے سے بڑھ سکتی ہے۔ سونے کی بہ نسبت اس کے ملمع کا زیادہ رِواج ہے، چناں چہ امیروں اور دولت مندوں کیچے، پیالے وغیرہ چاندی کے پانی سے قلعی کیے جاتے ہیں، اور دھاتوں کی قلعی کھانے کے ساتھ مل کر آدمی کی صحت میں خلل ڈالتی ہے، مگر چاندی کسی طرح مضر نہیں، اس کے علاوہ رانگ کی قلعی سے زیادہ اجلی اور دیرپا ہوتی ہے۔

سونے کی طرح چاندی کے بھی ظروف زیور اور سکے بنتے ہیں؛ بلکہ اس کے سکوں کا رواج سونے سے زیادہ ہے، اس کا وزن سونے سے بہت ہلکا ہے، خالص پانی سے 10 گُنی ہوتی ہے۔

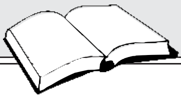
(۴) پارہ یا سیماب

تمام دھاتوں میں پارہ ایک عجیب چیز ہے، چاندی سا اجلا، پانی سا پتلا، ذرا حرکت دی اور ادھر سے اُدھر بھاگا؛ اسی واسطے بے تابی اور بے قراری میں پارہ کی مثال دیتے ہیں، جو شخص ایک حالت پر نہیں رہتا یا چپکا نہیں بیٹھتا، اس کو کہتے ہیں: ''آدمی کاہے کو ہے سیماب ہے!''۔

وہ معمولی حرارت میں سیال ہوتا ہے لیکن زیادہ سردی پاتا ہے تو منجمد ہو جاتا ہے، اس وقت اور دھاتوں کی طرح کوٹنے پیٹنے کے قابل ہو جاتا ہے، جب زیادہ گرمی پاتا ہے تو وہ ہوا ہو جاتا ہے، اور ہمیشہ پانی کی طرح بخار بن کر اڑتا رہتا ہے پارہ سے گرمی کے اندازہ کرنے کا ایک عمدہ اوزار بتایا گیا ہے، شیشے کی پتلی نلی کو ہوا سے خالی کر کے اُس میں پارہ بھر دیتے ہیں، جس قدر گرمی زیادہ ہوتی ہے اُسی قدر پارہ پھیلتا ہے، اور جتنی کم ہوتی ہے اتنا ہی سکڑتا ہے، اس طرح صحیح پیائش گرمی کی ہو جاتی ہے۔

اگر پارہ کو گاڑھا کر کے سونے کے ساتھ ملائیں تو دونوں حل ہو کر ایک ذات ہو جاتے ہیں، اب اس کو چاندی یا کسی اور دھات پر پھیلاؤ تو لپٹ جائے گا، پھر اس کو آنچ دو تو پارہ فوراً اُڑ جائے گا، اور سونے کی جھلک باقی رہے گی، اس طرح پارہ کی لاگ سے سونے کا ملمع ہوتا ہے۔

پارہ دوا کے طور پر بھی کام میں آتا ہے، کتنی ہی بیماریوں کو دور کرتا ہے، وہ پانی سے ساڑھے تیرہ گنا وزنی ہے،



یعنی سونے سے ہلکا اور چاندی سے بھاری۔ یورپ، جنوبی امریکہ میں پارہ کی کانیں ہیں۔

(۵) تانبا

تانبے کی رنگت میں سرخی کی دمک ہوتی ہے، وہ بہت بھاری بھی نہیں ہوتا، پھر بھی پانی سے 9 گنا وزنی ہے۔

کوٹنے سے اس کا باریک پتر اور کھینچنے سے باریک تار بن جاتا ہے، گرم تو جھٹ ہو جاتا ہے؛ البتہ اس کے پگھلانے کو آنچ تیز چاہیے؛ مگر بہت دیر تک جلانے سے میل مٹی سا ہو جاتا ہے، ترشی اور نمک کے لگنے سے اس کا زنگار بنتا ہے جو آدمی کے لیے زہر ہے۔ تانبا ارزاں ہے، اسی واسطے اس کے باشن کثرت سے بنائے جاتے ہیں جن پر رانگ کی قلعی کر لیتے ہیں، اگر قلعی نہ کریں تو کھانا زنگاری ہو جائے، اور کھانے کے قابل نہ رہے۔

کشتیوں اور جہازوں کے پیندے میں پائیداری کی غرض سے تانبے کے پتر جڑ دیتے ہیں، اس ترکیب سے یہ بھی فائدہ ہے کہ سمندر کے کیڑوں سے لکڑی محفوظ رہتی ہے تانبے کے سکے بھی بنتے ہیں؛ چناں چہ پیسے اور پائیاں اسی کی ہوتی ہیں۔

(۶) جست

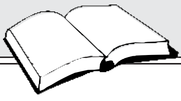
جست کا اصلی رنگ سفید ہے، وہ تانبے کے خلاف بہت دیر میں گرم ہوتا ہے؛ اسی واسطے پانی رکھنے کی صراحیاں، گلاس، حقے وغیرہ جست کے اکثر بنائے جاتے ہیں۔

وہ دواؤں میں بھی کام آتا ہے؛ مگر کھانے میں نہیں بلکہ لگانے میں، چناں چہ آنکھوں میں لگاتے ہیں، زخموں کے لیے اس کا مرہم بھی بناتے ہیں، پانی سے سات گنا بھاری ہے، زیادہ جلانے سے سفید راکھ کی مانند ہو جاتا ہے۔

جست اور تانبے کو ملا کر پیتل بناتے ہیں، جو بہت خوش رنگ اور صاف ہوتا ہے، اس کے برتن بہت بنتے ہیں جو سونے کی طرح چمکتے ہیں، مگر عیب یہ ہیکہ پیتل ضرب کو برداشت نہیں کرتا؛ اسی واسطے اس کی کوئی چیز بناتے ہیں تو قالب میں ڈھال کر بنا لیتے ہیں، پھر اس کو خراد پر چڑھا کر صاف اور سڈول کر لیتے ہیں۔

(۷) لوہا

سب سے زیادہ ارزاں اور سب سے زیادہ مفید اور کارآمد یہی دھات ہے، ہمارے بہت سے کام اس سے نکلتے ہیں؛ غالباً قدرت نے اسی واسطے دنیا میں لوہا زیادہ پیدا کیا ہے۔ لوہا وزن میں تو سبک ہے، یعنی: پانی سے صرف آٹھ گنا وزنی ہے، لیکن سختی اور مضبوطی میں تمام دھاتوں پر فائق ہے۔



اس کے گلانے کو سونے سے بھی زیادہ حرارت درکار ہوتی ہے، اس کو بار بار آنچ دے کر فولاد بناتے ہیں، جو نہایت سخت اور لچک دار ہوتی ہے: چاقو، استرہ، نشتر، خنجر، تلوار وغیرہ اکثر فولاد کے بنتے ہیں۔

انسان کے تمام ہنر اور ساری صنعتیں لوہے کے اوزاروں کی محتاج ہیں، جب تک کوئی قوم اس دھات کے استعمال سے واقف نہیں ہوتی شائستگی میں ترقی نہیں کر سکتی، زراعت اور عمارت کے کام لوہے کے اوزاروں سے چلتے ہیں تم اپنے گھر میں جتنا اسباب وسامان دیکھتے ہو، اُس میں بھی کوئی چیز ایسی نہیں جو لوہے کی امداد کے بغیر حاصل ہوئی ہو۔

لوہا اگر چہ نہایت مضبوط شے ہے، لیکن نمی اس کی جانی دشمن ہے، ایسا زنگ لگاتی ہے کہ اس کو مٹی بنا دیتی ہے؛ دنیا میں لوہے کی کانیں کثرت سے موجود ہیں، جتنا بگڑتا ہے اُس سے زیادہ ہر سال نکلتا ہے، طبیب اور ڈاکٹر فولاد کا عرق اور سفوف بھی تیار کرتے ہیں، جو اشتہا کو بڑھاتا ہے اور گردوں کو تقویت دیتا ہے۔

(۸) سیسا

سیسا نہایت نرم مگر بھاری ہوتا ہے، پانی سے اس کا وزن بارہ گنا ہے بہت ہلکی ضرب سے چپٹا ہو سکتا ہے، مگر اس کا تار کھنچ سکتا ہے، آنچ دینے سے جلد پگھل جاتا ہے، اس میں سے میل بہت نکلتا ہے، زیادہ جلایا جائے تو بالکل میل بن کر سرخ انگارہ ہو جاتا ہے۔

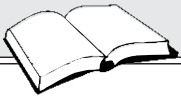
کانچ میں سیسا بھی شامل ہوتا ہے، اکثر رنگتیں بھی سیسے کی لاگ سے تیار ہوتی ہیں، بندوق کی گولیاں اور چھرے سیسے ہی کے بنتے ہیں۔

سیسا پانی اور ہوا میں تو نہیں بگڑتا، مگر ترشی کے ساتھ مل کر زہریلا ہو جاتا ہے، اکثر دغا باز قلعی گر رانگ میں سیسا ملا دیتے ہیں، اور اس کی قلعی تانبے کے باسنوں پر کرتے ہیں، ایسے برتن میں کھانا صحت کے لیے مضر ہے۔

(۹) رانگ

رانگ سیسے کی بہ نسبت کسی قدر سفید ہوتا ہے، سب دھاتوں سے زیادہ سبک ہے، پانی سے سات گنا وزنی، نرم بھی بہت ہے سیسےکی طرح ذرا سی طاقت سے مُڑ سکتا ہے، اس میں لوہے کی سی لچک نہیں ہوتی کہ موڑنے کے بعد خود بہ خود سیدھا ہو جائے، کم آنچ پر پگھل جاتا ہے۔

زیادہ تپانے سے رفتہ رفتہ میل سا بن جاتا ہے، پیٹنے سے اس کے ورق تو بن سکتے ہیں، لیکن تار کھینچو تو نہیں کھنچ



سکتا، رانگ میں یہ بڑا وصف ہے کہ اس کو زنگ کبھی نہیں لگتا، اس کے برتن تو نہیں بنتے، مگر تانبے اور پیتل کے برتنوں پر اس کی قلعی خوب ہوتی ہے، اور اصل میں رانگ ہی کا نام قلعی ہے۔

(۲۵) ایک وقت میں ایک کام

ہے کام کے وقت کام اچھا — اور کھیل کے وقت کھیل زیبا

جب کام کا وقت ہو کرو کام — بھولے سے بھی کھیل کا نہ لو نام

ہاں کھیل کے وقت خوب کھیلو — کودو، پھاندو کہ ڈنڈ پیلو

خوش رہنے کا ہے یہی طریقہ — ہر بات میں چاہیے سلیقہ

ہمت کو نہ ہار یو خدارا — مت ڈھونڈ یو غیر کا سہارا

اپنے بوتے پر کام کرنا — مشکل ہو تو چاہیے نہ ڈرنا

جو کچھ ہو سو اپنے دم قدم سے — کیا کام ہے غیر کے کرم سے

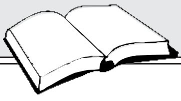
چھوڑو نہیں کام کو ادھورا — بے کا رہے جو ہوا نہ پورا

اک وقت میں صرف ایک ہی کام — پاسکتا ہے بہتری انجام

جب کام میں کام اور چھیڑا — دونوں ہی میں پڑ گیا بکھیڑا

جو وقت گذر گیا اکارت — افسوس! ہوا خزانہ غارت

ہے کام کے وقت کام اچھا — اور کھیل کے وقت کھیل زیبا



(۲۶) ہوا چلی

ہونے کو آئی صبح، تو ٹھنڈی ہوا چلی
کیا دھیمی دھیمی چال سے یہ خوش ادا چلی

لہرا دیا ہے کھیت کو ملتی ہیں بالیاں
پودے بھی جھومتے ہیں لچکتی ہیں ڈالیاں

پھلواریوں میں تازہ شگوفے کھلا چلی
سویا ہوا تھا سبزہ اُسے تو جگا چلی

سر سبز ہوں درخت نہ باغوں میں تجھ بغیر
تیرے ہی دم قدم سے ہے بھاتی چمن کی سیر

پڑ جائے اس جہاں میں تیری اگر کمی
چوپایہ کوئی زندہ بچے اور نہ آدمی

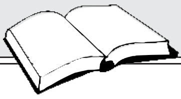
چڑیوں کو یہ اڑان کی طاقت کہاں رہے!
پھر کائیں کائیں ہو نہ غٹر غوں نہ چہچہے

بندوں کو چاہیے کہ کریں بندگی ادا
اس کی کہ جس کے حکم سے چلتی ہے یہ سدا

(۲۷) انسان کا بدن

انسان کا بدن تین حصوں پر تقسیم ہوسکتا ہے: سر تن اور اطراف۔ پھر سر کے دو حصے ہیں: ایک کھوپڑی، دوسرا چہرہ۔تن کے بھی دو حصے ہیں: ایک سینہ، دوسرا شکم۔اطراف کے دو جوڑے ہیں: ہاتھ اور ٹانگیں۔

کھوپڑی ایک گول ڈبے کی مانند ہے جو مضبوطی کے لیے محراب دار بنائی گئی ہے، وہ ایک ہڈی سے نہیں بنی؛ بلکہ اس کے بہت سے ٹکڑے ہیں، جن کی تعداد بچپن میں زیادہ ہوتی ہے، جس قدر عمر بڑھتی ہے وہ ہڈیاں جڑتی جاتی ہیں، ابتدائے جوانی میں کھوپڑی کی ہڈیاں ۲۲ ہوتی ہیں، بڑھاپے میں مل ملا کر بہت کم رہ جاتی ہیں۔کھوپڑی کے دو خانے ہیں، پچھلے خانے میں ایک لوتھڑا سا بھرا ہوتا ہے جس کو دماغ یا بھیجا کہتے ہیں، دماغ ہی کُل حواس اور روحانی کاموں کی جگہ ہے، سامنے کے خانے میں منہ اور حلق ہوتا ہے، منھ میں ۳۲ دانت ہوتے ہیں: ۱۶ اوپر کے جبڑے میں اور ۱۶ نیچے کے جبڑے میں۔



چہرے میں پیشانی، آنکھیں، رخسارے، ناک، ٹھوڑی اور لب شامل ہیں، اور اُس کے دونوں طرف کان ہیں۔

آدمی کے پانچ حواس میں سے چار کے مقام چہرہ میں ہیں: بصارت کے دو مقام ہیں، یعنی: آنکھیں؛ سماعت کے بھی دو ہیں، یعنی: کان؛ شامہ، یعنی: سونگھنے کی قوت ناک میں ہے؛ ناک ظاہر میں ایک معلوم ہوتی ہے مگر حقیقت میں اس کا بھی جوڑا ہے، وہ ایک پردے کے حائل ہو جانے سے دو حصوں میں تقسیم ہوگئی ہے، ذائقہ، یعنی: چکھنے کی قوت زبان میں ہے۔

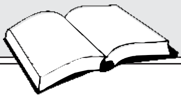
سینے میں ۲۴/ پسلیاں ہوتی ہیں، یعنی: ہر ایک جانب میں بارہ، اور ان میں سے اکثر سینے کی ہڈی سے پیوستہ ہیں۔ دوسرا سرا ان کا پشت کی ہڈی میں جُڑا ہے؛ پشت کی ہڈی کو ریڑھ بولتے ہیں، بچپن میں اس کے ۳۳ ٹکڑے ہوتے ہیں لیکن بڑی عمر میں ۲۴ علی حدہ رہتے اور باقی مل جاتے ہیں، ریڑھ کے ٹکڑے کو فقرہ کہتے ہیں، اگر یہ جدا جدا فقرے نہ ہوتے تو آدمی کو جھکنا مشکل ہوتا۔

سینے کے کمرے میں دو عمدہ عضو حفاظت سے رکھے ہوئے ہیں، انھیں دونوں کی حرکت پر انسان کی زندگی کا مدار ہے: ایک تو پھیپھڑا ہے جس کے دو حصے ہیں، وہ دونوں ہر دم پنکھے کی طرح جنبش میں رہتے ہیں، اسی جنبش سے آدمی دم لیتا ہے؛ دوسرا اعلیٰ عضو دل ہے، جو پھیپھڑے کے نیچے سینے کے وسط میں رکھا ہوا ہے، اُس کی حرکت سے تمام جسم کے اندر خون رواں ہوتا ہے۔

شکم کے اندر دائیں پسلیوں کے نیچے کو جگر ہے، اور بائیں پسلیوں کے نیچے کو تلی، پشت کی طرف کو دو گردے ہیں، پیٹ ہی کے اندر معدے کی تھیلی ہے جس میں غذا ہضم ہوتی ہے، معدے کا بالائی حصہ تنگ نالی کی صورت میں حلق سے جاملا ہے، نیچے کا حصہ بہت طویل اور پیچ در پیچ ہے، اسی کو آنتیں بولتے ہیں۔

ہاتھ شانہ کی ہڈیوں سے پیوستہ ہیں اور ٹانگیں کولھے کی ہڈیوں سے، ان دونوں کے حصوں میں مطابقت پائی جاتی ہے، بازو کے مقابلہ پر ران ہے، کلائی کے جواب میں پنڈلی، پہنچے کے نمونہ پر ٹخنہ ہتھیلی کے قرینے پر تلوا، اسی طرح دونوں میں پانچ انگلیاں ہیں، ہر ایک ہاتھ اور ہر ایک ٹانگ میں ۳۰ ہڈیاں ہیں۔

آدمی کے تمام بدن پر جلد بطور غلاف کے مڑھی ہوئی ہے؛ اس جلد کے دو حصے ہیں اوپر کا خول بھوسی کی طرح ہمیشہ جھڑتا رہتا ہے، اس میں خراش کرنے سے خون نہیں نکلتا مگر نیچے تہ جو دبیز اور مضبوط ہے اگر زخمی ہو جائے، تو لہو جاری ہو جاتا ہے تن کے اندورنی طرف میں بھی ایک غلاف چڑھا ہوا ہے، مگر وہ کھال بہت نرم و نازک اور سُرخ ہوتی

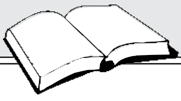


ہے، اور ہمیشہ تر رہتی ہے جیسے منھ کے اندر کی کھال ہے، غرض کھال کے اندر گوشت، خون، رگیں، پٹھے اور ہڈیاں پوشیدہ ہیں۔

ایک پورے تن درست اور توانا شخص کے جسم کا وزن ۷۷ سیر ہوتا ہے، جس میں ۳۳ سیر پانی شامل ہے، اُس کی نبض ایک منٹ میں ۷۵ بار حرکت کرتی ہے، اور ہر منٹ میں ۱۵ دفعہ سانس لیتا ہے، اگر آدمی کے بدن کی کل ہڈیاں شمار کرو تو دو سو سے کچھ زیادہ ہوتی ہیں۔

(۲۸) دال کی فریاد

ایک لڑکی بگھارتی ہے دال	دال کرتی ہے عرض یوں احوال
ایک دن تھا، ہری بھری تھی میں	ساری آفات سے بری تھی میں
تھا ہرا کھیت میرا گھوارا	وہ وطن تھا مجھے بہت پیارا
پانی پی پی کے تھی میں لہراتی	دھوپ لیتی کبھی ہوا کھاتی
مینہ برستا تھا جھونکے آتے تھے	گودیوں میں مجھے کھلاتے تھے
یہی سورج زمین تھے ماں باوا	مجھ سے کرتے تھے نیک برتاوا
جب کیا مجھ کو پال پوس بڑا	آہ! ظالم کسان آن پڑا
گئی تقدیر یک بہ یک جو پلٹ	کھیت کا کھیت کر دیا تلپٹ
خوب لُوٹادھڑی دھڑی کر کے	مجھ کو گونوں میں لے گئے بھر کے
ہو گئی دم کے دم میں بربادی	چھن گئی ہائے! میری آزادی
کیا بتاؤں! کہاں کہاں کھینچا	دال منڈی میں مجھ کو جا بیچا
ایک ظالم سے واں پڑا پالا	جس نے چکی میں مجھ کو دل ڈالا



ہوا تقدیر کا لکھا پورا! دونوں پاٹوں نے کر دیا چورا

نہ سنی میری آہ اور زاری خوب بنیے نے کی خریداری

چھانا چھلنی میں چھاج میں پھٹکا قید خانہ مرا بنا مٹکا

پھر مقدر مجھے یہاں لایا تم نے تو اور بھی غضب ڈھایا

کھال کھینچی الگ کیسے چھلکے زخم کیوں کر ہرے نہ ہوں دل کے!

پھر نمک اور مرچ لگایا خوب رکھ کے چولھے پہ جی جلایا خوب

اس پر کف گیر کے ٹھوکے ہیں اور ناخن کے بھی کچو کے ہیں

ہائے تم نے بھی کچھ نہ رحم کیا گرم گھی کر کے مجھ کو داغ دیا

ہاتھ دھو کر پڑی ہو پیچھے تم ان پر آپنی، حواس میں گم

اچھی بی بی!تمھیں کرو انصاف ظلم ہے یا نہیں قصور معاف

کہا لڑکی نے: میری پیاری دال مجھ کو معلوم ہے ترا سب حال

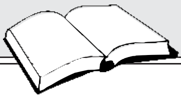
تو اگر کھیت سے نہیں آتی! خاک میں مل کر خاک ہو جاتی

یا کوئی گائے بھینس چرلیتی پیٹ میں اپنے تجھ کو بھر لیتی

میں تو رتبہ ترا بڑھاتی ہوں اب چپاتی سے تجھ کو کھاتی ہوں

نہ ستانا نہ جی جلانا تھا یوں تجھے آدمی بنانا تھا

اگلی بیتی کا تو نہ کر کچھ غم مہربانی تھی سب نہ تھا یہ ستم



(۲۹) ایک خط

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

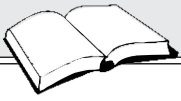
عزیزمن! تم کو یاد ہوگا کہ جس روز تم سفر کی تیاری میں مصروف تھے، میری طبیعت کسی قدر ناساز تھی اسی وجہ سے تم کو رخصت کرنے کے لیے ریلوے اسٹیشن تک میں نہ جاسکا تھا تمھارے جانے کے بعد علالت اور زیادہ ہوگئی، یہاں تک کہ میں رخصت لینے پر مجبور ہوا، دس دن سے کوئی کام نہ کرسکا، برابر علاج ہو رہا ہے، ڈاکٹر مسیح الدین دونوں وقت تشریف لاتے ہیں، اور ایک اوزار سینے پر رکھ کر پھیپھڑے کی کیفیت کو ملاحظہ کرتے ہیں؛ البتہ دو روز سے مرض میں قدرے تخفیف ہے: کھانسی کم اٹھتی ہے، شب کو نیند بھی آجاتی ہے، مگر میں نقیہ ایسا ہو گیا ہوں کہ ابھی گاڑی میں سوار ہو کر ہوا کھانے نہیں جاسکتا، ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ ایک ہفتہ کے بعد چلنے پھرنے کی اجازت ملے گی، ذرا اور توانائی آجائے تو میرا ارادہ ہے کہ سیدھا لاہور چلا جاؤں، وہاں جانے سے صرف تبدیل آب و ہوا ہی مقصود نہیں ہے؛ بلکہ ضرورت پڑی تو ڈاکٹر شفاء الدولہ سے؟ جو میرے قدیم عنایت فرما ہیں؟ معالجہ کا موقع ملے گا، امید ہے کہ معاودت کے وقت دو چار روز تمھارے پاس بھی قیام کروں گا، اور ایک دو روز پیشتر تم کو اپنے آنے کی اطلاع دوں گا۔ بچوں کو دعا اور سب احباب کو سلامِ شوق۔ والسلام

راقم: امیر بیگ، از مقام سہارنپور

۱۰/نومبر ۱۸۱۹ء

(۳۰) رات

گیا دن ہوئی شام، آئی ہے رات	خدا نے عجب شے بنائی ہے رات
نہ ہو رات تو دن کی پہچان کیا	اٹھائے مزہ دن کا انسان کیا
ہوئی رات خلقت چھٹی کام سے	خموشی سی چھائی سر شام سے
لگے ہونے اب ہاٹ بازار بند	زمانے کے سب کار اور بار بند
مسافر نے دن بھر کیا ہے سفر	سرِشام منزل پہ کھولی کمر



درختوں کے پتے بھی چپ ہو گئے
ہوا تھم گئی، پیڑ بھی سو گئے

اندھیرا اجالے پہ غالب ہوا
ہر اک شخص راحت کا طالب ہوا

ہوئے روشن آبادیوں میں چراغ
ہو اسب کو محنت سے حاصل فراغ

کسان اب چلا کھیت کو چھوڑ کر
کہ گھر میں کرے چین سے شب بسر

ٹھیک کر سلایا اسے نیند نے
تردد بھلایا اُسے نیند نے

غریب آدمی جو کہ مزدور ہیں
مشقت سے جن کے بدن چور ہیں

وہ دن بھر کی محنت کے مارے ہوئے
وماندے تھکے اور ہارے ہوئے

نہایت خوشی سے گئے اپنے گھر
ہوئے بال بچے بھی خوش دیکھ کر

گئے بھول سب کام دھندے کا غم
سویرے کو اٹھیں گے اب تازہ دم

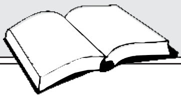
کہاں چین یہ بادشاہ کو نصیب
کہ جس بے بنی سے ہیں سوتے غریب

(۳۱) گنّا

اگر چہ کھجور، ناریل اور دوسرے پودوں سے بھی قند وشکر بناتے ہیں: مگر ان کا سب سے بڑا سرچشمہ گنا ہے؛ بالخصوص ہمارے ملک میں تو ہر قسم کی شیرینی کا وہی مورث اعلیٰ ہے۔

گنا ابتدا میں ایک جنگلی گھاس تھا، جس کو پرورش کرتے کرتے انسانی صنعت نے ایسا نرم رسیلا بنا دیا ہے، اس کی کئی قسمیں ہیں کسی کا رنگ سرخ کسی کا سیاہی مائل اور کوئی سفید ہوتا ہے۔

ہر ملک کی آب وہوا جس طرح انسان وحیوان کے قد وقامت اور رنگ وروغن میں اختلاف پیدا کر دیتی ہے، اسی طرح نباتات پر بھی اُس کا اثر ہوتا ہے؟ چناں چہ ہر خطے کا گنا بھی مختلف طرز و انداز کا ہو گیا: کہیں بہت موٹا لمبا، نرم وشاداب کہیں پتلا، چھوٹا، کم رس؛ کہیں اوسط درجے کا ہوتا ہے؛ اکثر سفید رنگ کا گنا تر وتازہ اور نرم رسیلا ہوتا ہے،



سرخ وسیاہ رنگ کا ذرا سخت۔

بانس اور نرسل کے مانند گنے میں پوریاں ہوتی ہیں، اور ہر پوری پر گرہ، اس کے سرے پر لمبے نکیلے دو دھارے پتے ہوتے ہیں، یہ حصہ اگولا کہلاتا ہے، اور مویشی کے چارے میں کام آتا ہے یہ بات تو غلط ہے کہ گنے کا تخم نہیں ہوتا، بے شک اس میں پھول آتا اور بیج لگتا ہے؛ مگر وہ پھولنے پھلنے سے پہلے ہی کھودلیا جاتا ہے۔

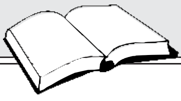
گنا اس قسم کے پودوں میں سے ہے جس کا تخم بھی بُویا جاتا ہے اور شاخ بھی لگائی جاتی ہے مگر اس کی کاشت کا مروج طریقہ دوسری قسم کا ہے؛ چنانچہ اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے لِٹا کر کھیت میں دبائے جاتے ہیں، ہر گرہ پر آنکھ ہوتی ہے، وہیں سے شاخ پھوٹ نکلتی ہے۔

چیت، بیساکھ میں اس کی کاشت ہوتی ہے اور جب تک برسات شروع نہیں ہوتی کسان بڑی محنت مشقت سے اس کے کھیت کو کنویں یا نہر کے پانی سے سیرات کرتے ہیں مینہ برستا ہے تو ایکھ میں جان پڑ جاتی ہے خوب بڑھتی اور تروتازہ ہوتی ہے، گنا جب تک بچہ اور کچا رہتا ہے پھیکا اور کھارا ہوتا ہے: مگر کنوار کے مہینے میں پختگی پر آجاتا ہے اس وقت کھائیں تو شیریں اور خوش ذائقہ معلوم ہوتا ہے۔

کولھو یا بیلن میں دبا کر گنے کا رس نکالتے ہیں پھر اس کو بڑے کڑھاؤ میں ڈال کر جوش دیتے ہیں جب چاشنی تیار ہوجاتی ہے تو اس کو ٹھنڈا کر کے گُڑ، شکر یا راب بنالیتے ہیں: راب کی چاشنی نرم رکھتے ہیں اور اس کو ہنڈوں مٹکوں میں بھر لیتے ہیں۔ گُڑ کی چاشنی راب کی بنسبت سخت ہوتی ہے اور شکر کی اس سے بھی زیادہ کڑی۔

راب کی کھانچی ڈالتے ہیں، جہاں یہ کارخانہ ہوتا ہے وہ مکان کھنڈسال کہلاتا ہے، کھانچی میں راب کا شیرہ نچڑ کر الگ ہوجاتا ہے، اور دانہ دار سفید کھانڈ (قند) باقی رہ جاتی ہے، پھر حلوائی اس کو پکا کر صاف کرتے اور بورا، بتاشا، مصری اولا بناتے ہیں، اس سے قسم قسم کی مٹھائیاں نفیس اور خوش مزہ تیار ہوتی ہیں۔

جب گنے کے رس کو گھڑے میں بھر کر رکھ چھوڑتے ہیں، تو کچھ عرصے میں وہ سرکہ بن جاتا ہے، سرکہ سے انواع واقسام کی چٹنیاں اور اچار بنائے جاتے ہیں۔



(۳۲) مطالعہ اورآموختہ

کتاب کا مطالعہ طالب علم کے واسطے نہایت ضروری کام ہے؛ کیوں کہ اپنے سبق میں جس قدر غور وفکر تم خود کرتے ہو، اس سے تمھارے ذہن کی قوت اور اصلی استعداد بڑھتی ہے۔

اگر تم اپنی طبیعت پر زور نہ ڈالو گے اور محض استاد کی تعلیم پر تکیہ کرو گے، تو تمھارا حال اُن اپاہج بچوں کا سا ہو جائے گا جو خود پاؤں چلنا نہیں سیکھتے، بلکہ دوسروں کی گود میں لدے لدے پھرتے ہیں۔

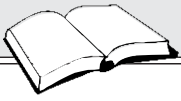
بے شک ابتدا میں طالب علم کو اس بات کی طرف زیادہ توجہ کرنی چاہیے، کہ جو کچھ استاد بتاتا اور سمجھاتا ہے اُس کو خوب غور سے سنے اور حرف بہ حرف یاد رکھے، جو ذخیرہ استاد کی تعلیم سے تمھارے حافظے میں جمع ہو جاتا ہے اُس کو ساتھ ہی ساتھ کام میں لانا شروع کرو۔ جو علم تم کو روز بہ روز حاصل ہوتا ہے اس کو کام میں لانے کا یہی طریقہ ہے، کہ اپنے آئندہ سبق کا مطالعہ کیا کرو، یعنی اسے بغیر کسی کی مدد کے اپنے آپ پڑھو، اس طور سے تمھارا علم بہت جلد ترقی پائے گا، اگر آج دو ہے تو کل چار ہو جائے گا۔

شاید شروع شروع میں یہ کام تم کو بہت دشوار اور ناگوار معلوم ہو، لیکن خبردار! گھبرانا مت، ذرا صبر کے ساتھ اس طریقے پر عمل کرو گے تو سب مشکلیں آسان ہو جائیں گی، اور خود بہ خود تمھاری طبیعت کو کامیابی کی راہیں سوجھنے لگیں گی۔

مطالعہ کرنے والوں کی کیفیت ابتدا میں اُن بچوں کی سی ہوتی ہے جو گھٹنوں کے بل چلتے ہیں، پھر کھڑا ہونا سیکھتے ہیں تو گر پڑتے ہیں، لیکن وہ اپنی مشق برابر جاری رکھتے ہیں، آخر ایسے شہ زور، چست وچالاک بن جاتے ہیں، کہ اپنی دوڑ دھوپ کے آگے اونچے ٹیلوں اور گہری خندقوں کی بھی کچھ اصل نہیں سمجھتے۔

مطالعہ کے یہ معنی نہیں کہ ایک دو بار آئندہ سبق سرسری طور پر دیکھ بھال لیا، جو سمجھ میں آیا سو آیا، باقی اس بھروسے پر چھوڑ دیا کہ استاد سے یا کسی ہوشیار ہم سبق سے دریافت کرلیں گے، ایسا مطالعہ بالکل ناکارہ ہے، اس سے کچھ ترقی تمھاری استعداد میں نہ ہوگی، اگر تمھارے منہ میں دانت ہیں، تو تم دوسروں کے چبائے ہوئے لقمے کے منتظر مت رہو، بلکہ خود چباؤ اور کھاؤ۔

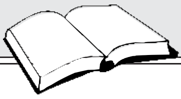
مفید طریقہ مطالعہ کا یہ ہے، کہ ایک ایک لفظ اور ایک ایک فقرے پر دل لگا کر غور کرو، کیسی ہی خفیف بات ہو اُس



کو بغیر سمجھے نہ چھوڑو، جب تم اس انداز ے سے مطالعہ کرو گے، تو بعض باتیں ایسی پاؤ گے جو پہلے سے تمھارے ذہن میں موجود ہیں، اُن پر غور کرنے سے تمھاری یادداشت تازہ اور پختہ ہو جائے گی، بعض باتیں تمھاری نظر سے ایسی گذریں گی جو تمھاری جانی ہوئی باتوں سے ملتی جلتی ہیں، اُن کو تم تھوڑے تامل اور فکر سے سمجھ سکو گے بعض باتیں ایسی بھی پیش آئیں گی جو بالکل نئی ہیں؛ مگر خوب غور کرنے سے وہ تمھارے قیاس میں آجائیں گی، اس وقت تم کو ایسی مسرت حاصل ہوگی گویا تم نے ایک نیا ملک فتح کیا، اس کامیابی کے بعد تم کو خود حوصلہ ہوگا، کہ آؤ آگے بڑھ کر دوسرا جھنڈا فتح مندی کا بلند کریں، ایسے مطالعہ کے بعد تم سبق پڑھو گے، تو جو کچھ اپنے استاد کی زبان سے سنو گے، اُس کا یاد رکھنا اور سمجھنا بھی تم کو آسان ہو جائے گا۔

مطالعہ کے لیے ایک خاص وقت مقرر کر وہ تنہا جگہ میں بیٹھو، جہاں کوئی غل مچانے والا یا بات کرنے والا نہ ہو، نہ کوئی کھیل تماشے کی چیز سامنے ہو جس کے سبب سے تمھارا دھیان نہ بٹے، چلا چلا کر پڑھنے یا گنگنانے کی عادت نہ ڈالو؛ بلکہ ہمیشہ چپ چاپ مطالعہ کیا کرو تا کہ غور و فکر میں خلل نہ پڑے۔ کتاب پر جھک کر مطالعہ کرنا جسم کے لیے مضر ہے یا تو سیدھے بیٹھو، اور اگر ہو سکے تو چہل قدمی کرتے ہوئے کتاب دیکھا کرو، اگر کتاب کے مطالعہ سے طبیعت اُکتا جائے تو فوراً کام تبدیل کر دو، اور کوئی دوسری کتاب یا دوسرا مضمون اختیار کرو، مثلاً: زبان کی کتاب سے جی بھر جائے تو ریاضی کا مطالعہ کرو، اس سے بھی طبیعت سیر ہو جائے تو تاریخ و جغرافیہ دیکھو، غرض یوں ردوبدل کر کے طبیعت کو کام میں مصروف رکھو۔

جس طرح مطالعہ طالب علم کو ترقی کے زینے پر چڑھاتا اور اس کے ذہن کی قوت بڑھاتا ہے، اسی طرح آموختہ پر نظر کرنا بھی کامیابی کا بڑا گُر ہے، جن باتوں کو تم نے آج اس قدر محنت اور مشقت سے سیکھا ہے، اگر بے پروائی سے اُن کو بھلا دیا تو افسوس ہے، کہ تمھاری تمام محنت اور وقت رائگاں گیا تیلی کے بیل کے مانند مت بنو جس نے تمام دن سفر کیا اور پھر وہیں کا وہیں رہا تم کو چاہیے کہ جو کچھ اپنی محنت اور وقت کے عوض میں حاصل کرتے ہو اس کی خوب حفاظت کرو، جو آج سبق پڑھ چکے ہو اس کو پھر دیکھ لو، اسی طرح ایک ہفتے کی خواندگی دوسرے ہفتے میں، اور ایک مہینے کی دوسرے مہینے میں دہراتے رہو، جو طالب علم اپنے کام میں اس طرح دل سے توجہ اور کوشش کرے گا، تو امید ہے کہ علمی خزانے میں ایک کوڑی کا گھاٹا نہ آنے پائے گا، دن دونا رات چوگنا بڑھتا جائے گا، اور دن اُس کو جگت سیٹھ بنائے گا۔



(۳۴) احکایت

ایک فاختہ کے گھونسلے پر کسی کوے نے زبردستی قبضہ کرلیا تھا، اس بات پر دونوں میں خوب جنگ ہوئی مگر ایک دوسرے کو مغلوب نہ کرسکا۔

اب لڑتے لڑتے دونوں اس قدر عاجز آ گئے تھے، کہ اُن کو ایک منصف تلاش کرنا پڑا، جو انصاف کی راہ سے اُن کا جھگڑا چکُا دے اور آپس کا فساد مِٹا دے۔

اُس نواح میں ایک بڑھیا بلی تھی جس نے ظاہر میں شکار سے توبہ کرلی تھی، اور رات دن عبادت میں مشغول رہنے کے باعث؛ تمام جانور جو اُس کی ظاہری حالت سے واقف تھے؛ اس کو نہایت نیک سیرت اور پارسا خیال کرنے لگے تھے۔

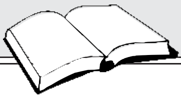
فاختہ اور کوے کو اس بات کی تمیز کچھ مشکل نہ تھی، کہ وہ بلی کو اپنی قوم کا دشمن سمجھ کر اس کے پاس جانے سے پرہیز کرتے؛ کیوں کہ اُس کی ڈراؤنی صورت، نکیلے پنجے اور تیز دانت صاف ظاہر کرتے تھے، کہ وہ پرندوں پر رحم کرنے کے لیے ہرگز نہیں بنائے گئے ہیں۔

افسوس کہ غصہ اور عداوت نے اُن کو ایسا دیوانہ بنا دیا، کہ وہ اپنی عقل اور تمیز کو کام میں نہ لا سکے، اور اُس کی پرہیز گاری کی جھوٹی شہرت پر یقین کر کے فوراً اس کے رو بہ رو حاضر ہو گئے، اور اپنا مقدمہ اس خواہش سے پیش کیا کہ بلا رو رعایت کے طے کر دیا جائے۔

مکار بلی دل میں تو بہت خوش ہوئی، لیکن ظاہر میں اُن کے آنے کو اس واسطے ناپسند کیا کہ اُس کی عبادت میں خلل پڑا، ان دونوں نے بہت التجا کے ساتھ عرض کیا کہ: اے بزرگ بلی! دو دشمنوں کا انصاف چکانا اور اُن میں صلح کرانا بھی خدا کی بندگی کرنے سے کچھ کم نہیں ہے، ہم کو امید ہے کہ آپ اس تکلیف کو خوشی سے برداشت فرمائیں گی۔

بلی نے نہایت نرمی اور اخلاق سے جواب دیا کہ: اگر مجھ گنہ گار، کم بخت کی ذات سے خدا کی مخلوق کو کچھ فائدہ پہنچ سکے تو میں اپنی خوش نصیبی سمجھوں گی، مگر اے صاحبو! میں ضعیفی کی وجہ سے ذرا کم سننے لگی ہوں، جب تک اپنا معاملہ میرے کان کے قریب چلا چلا کر نہ بیان کرو گے، میں تمھارے حق میں کوئی مناسب فیصلہ نہ کرسکوں گی۔

اب بھی موقع تھا کہ وہ دونوں بے وقوف داد خواہ بلی کے اس داؤ گھات کو سمجھ جاتے، کہ وہ اپنی کمزوری کے



نقصان کو، جس کے سبب سے اُن پر حملہ نہیں کرسکتی، اس طرح پورا کرنا چاہتی ہے، کہ بات سننے کے حیلے سے اپنے پاس بلائے اور ان کو آسانی سے شکار کرلے۔

ان کی سمجھ بوجھ پر اُس وقت ایسا پردہ غصے نے ڈال دیا تھا، کہ انھوں نے کچھ بھی انجام کی فکر نہ کی، اور جو بازو قدرت نے ان کو اس غرض سے عنایت فرمائے تھے کہ ہوا میں اڑ کر اپنے دشمنوں سے محفوظ رہیں، وہ انھیں بازوؤں کے وسیلے سے اپنے جانی دشمن کے بغل میں جا بیٹھے۔

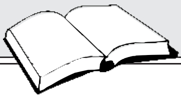
نہایت حلم اور بردباری کے ساتھ بلی نے اپنا سر جھکا لیا، اور خوب غور و توجہ کے ساتھ دونوں کی تقریر سنی، اُس کے بھولے چہرے اور اَدھ کھلی آنکھوں سے ایسا معلوم ہوتا تھا، کہ وہ اُن کے معاملے میں غور کر رہی ہے، اب عن قریب اخیر حکم سنانے والی ہے۔

اب تم خود قیاس کر سکتے ہو، کہ ایک بلی کی عدالت سے دو پرندوں کے حق میں کیا حکم صادر ہو سکتا ہے؟ بے شک وہ ان دونوں غافل دشمنوں کی موت تھی، جو یکا یک بلی کے ایک ہی جھپٹے میں آن پہنچی، اور اُن کو فرصت بھی نہ دی کہ اپنی غلطی سے واقف ہو سکیں۔

(۳۴) معافی اور انتقام

خطا سے پاک، جرم سے بری عام آدمیوں میں تو کوئی نظر نہیں آتا، نہایت غنیمت ہیں وہ لوگ جن میں خوبیاں زیادہ اور بُرائیاں کم ہیں، اور بہت ہی نیک ہیں وہ لوگ جو اوروں کی تاک میں نہیں رہتے؛ بلکہ اپنے ہی کاموں کو جانچتے ہیں، اُن میں جو خطا، قصور پاتے ہیں میں وقت پر اُن کا علاج کرتے ہیں۔ اگر ہم اپنے تمام فعلوں کو انصاف کی نظر سے دیکھیں تو معلوم ہو کہ ہم سے بہت سی خطائیں روزمرہ سرزد ہوتی ہیں، ہمارے اکثر کاموں سے دوسروں کو تکلیف پہنچتی ہے، لیکن ہم اپنی کرتوت کی جانچ میں غفلت کرتے ہیں؛ اسی سبب سے نہ اپنی خطاؤں کو پہچانتے ہیں، نہ ان کو بُرا جانتے ہیں۔

جب کہ ہم اپنے آپ کو بے قصور، بے خطا، بے جرم، بے گناہ نہیں پاتے تو نہایت ناانصافی کی بات ہے، کہ اوروں کی خطا کو سخت نگاہ سے دیکھیں، کیا وجہ ہے کہ ہم اپنے کو تو معذور سمجھیں، اور دوسروں کی ادنی بھول چوک کو بھی معاف نہ کریں! افسوس ہے کہ اپنے قصوروں کو بالکل فراموش کر دیتے ہیں؛ اسی واسطے دوسروں سے خفیف قصور کا بھی



بدلہ چاہتے ہیں۔

نیک آدمی سب کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرتے ہیں، لوگوں کی پوشیدہ خطاؤں کی ٹوہ میں نہیں رہتے، ادنی قصوروں پر گرفت نہیں کرتے، اپنے آپ کو ایسا بنالیتے ہیں گویا انھوں نے کوئی قصور دیکھا ہی نہیں، اسی کو چشم پوشی کہتے ہیں۔ جو چشم پوشی کرتا ہے اُس کا رُعب اوروں پر قائم رہتا ہے، جو شخص ذرا ذرا سی باتوں پر بگڑتا اور خفا ہوتا ہے وہ اپنا وقار اور بھرم کھوتا ہے۔

البتہ جو قصور تمھارے مقابلہ میں علانیہ اور قصداً کیا گیا ہو اس پر ضرور باز پرس کرو، اگر قصوروار اپنے قصور کا اقرار کرلے اور اپنے کام سے نادم ہوکر اپنی خطا کی معافی چاہے، تو فیاضی اور جواں مردی یہ ہے فوراً معاف کردو، معافی سے تم کو ایسی خوشی حاصل ہوگی جو انتقام لینے سے ہرگز نہیں ہوسکتی۔

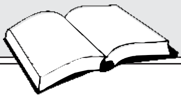
ے نادموں کی خطا معاف کرو ہے   معافی میں لذت اور سرور
اپنے دل میں ذرا کرو انصاف   کون ہے جو ہے بے خطا و قصور؟

بدلے کے قابل صرف وہ خطائیں ہوتی ہیں جن کا کرنے والا اطلاع پانے کے بعد بھی پشیمان نہ ہو، اور اپنی خطا کو خطا نہ جانے؛ بلکہ اُس پر اصرار کرے، اس صورت میں انتقام لینا واجب ہے، نہیں تو وہ قصور عادت بن جائے گا، خود قصور کرنے والے کو بلا میں پھنسائے گا، اور دوسروں کو اذیت پہنچائے گا۔

ے جو انتقام نہ لینے سے ہو خطا افزوں   تو یہ تمھاری خطا ہے جو انتقام نہ لو
وہ کام جس سے کہ اوروں کو فائدہ پہنچے   تم اس کے کرنے سے زنہار ہاتھ تھام نہ لو
جو انتقام سے منظور ہو خوشی اپنی   تو ایسے کام کا تم بھول کر بھی نام نہ لو

نیک اور شریف آدمی اول تو کسی کے آزار کے روادار نہیں ہوتے، اور اگر نادانستہ کسی کے حق میں کوئی ادنی خطا بھی اُن سے ہوجاتی ہے، تو اُن کو بہت افسوس اور بڑی ندامت ہوتی ہے، اور وہ بے تامل اپنی خطا کا اقرار کرتے اور بہت منت سے اُس کی معافی چاہتے ہیں؛ کیوں کہ خطا پر اصرار کرنا اور اُس کو برا نہ جاننا یہ دوسری خطا ہے، خطا کرنے سے آدمی کے دل میں اس قدر برائی پیدا نہیں ہوتی جتنی کہ اپنی خطا کو خفیف سمجھنے سے پیدا ہوتی ہے۔

ے ہے بیمار تو ایک بچنے کے قابل   جو اپنی خطا کو خطا جانتا ہے
مگر ایسے نادان کا کیا ٹھکانا   کہ جو درد ہی کو دوا جانتا ہے



براماننا ہے جو سمجھائے کوئی — بُرائی کو اپنی بھلا جانتا ہے
وہ انجام کو روئے گا سر پکڑ کر — نہیں اس میں دھوکا خدا جانتا ہے

(۳۵) معاش

اپنے اور اپنے اہل وعیال کے واسطے کمانا اور معاش پیدا کرنا بھی انسان کی نیکیوں میں سے ایک بڑی نیکی ہے، اور باوجود طاقت وقدرت کے دوسروں کا محتاج بننا ایک گناہ ہے؛ اس لیے ہر شخص پر واجب ہے کہ وہ معاش پیدا کرنے کے لیے پیشہ اختیار کرے۔

وہ پیشے جن سے معاش حاصل ہوتی ہے بعض ضروری ہیں، جیسے: زراعت، تجارت، کان کھودنا، آہن گری، نجاری وغیرہ؛ کیوں کہ ان پیشوں کے ذریعے انسانوں میں تہذیب پھیلتی اور اُن کی زندگی راحت وآرام سے بسر ہوتی ہے۔

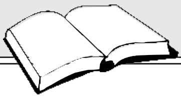
بعض پیشے غیر ضروری ہیں، جیسے: زرگری، بازی گری، نقالی، مسخرا پن وغیرہ کیوں کہ یہ پیشے صرف عیش ونشاط کے لیے ہیں، زندگی کی ضرورت ان کی پیشوں پر منحصر نہیں۔

بعض پیشے بالکل مصلحت کے خلاف ہیں؛ کیوں کہ اُن کا کرنے والا نہ خود معاش پیدا کرتا نہ اوروں کو مدد دیتا ہے، جیسے: قمار بازی، جھوٹی گواہی، چوری، قزاقی وغیرہ۔

کتاب اعلیٰ پیشے وہ سمجھے جاتے ہیں جو دانائی اور شجاعت سے تعلق رکھتے ہیں، جیسے: انتظام عدالت تعلیم، طب، حساب کتاب، مساحت، سپاہ گری وغیرہ۔

ادنی پیشے وہ ہیں جو صرف جسمانی طاقت پر موقوف ہیں، جیسے بوجھ ڈھونا، لکڑیاں چیرنا، مٹی کھودنا وغیرہ۔ مکروہ پیشے وہ ہیں جن کے کرنے سے طبیعت کو نفرت ہوتی ہے، جیسے: خاک روبی وغیرہ۔

جو لوگ اعلیٰ درجے کی لیاقت حاصل کرتے ہیں وہی اعلی پیشے اختیار کر سکتے ہیں، جو کم لیاقت ہوتے ہیں اُن کو مجبوراً کوئی ادنی پیشہ اختیار کرنا پڑتا ہے، جو شریف آدمی ہیں وہ جائز پیشے کو اختیار کرتے ہیں، خواہ ادنی ہو، خواہ اعلیٰ، وہی نیک معاش کہلاتے ہیں۔ جو لوگ پاجی، کمینے ہیں وہ ناجائز پیشے کرتے ہیں، جیسے: چوری، جوا وغیرہ، وہی بدمعاش کہلاتے ہیں۔



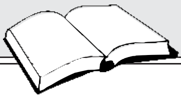
انسان کو لازم ہے کہ جائز پیشے اختیار کرے، اور جو پیشہ اختیار کرے اُس میں کامل ہونے اور استاد بننے کی کوشش کرے؛ کیوں کہ ناقص اور بے ہنر آدمی کی محنت بہت ضائع ہوتی ہے، وہ بہت سا وقت کھو کر تھوڑا کماتا ہے، کامل اور ہنر مند آدمی تھوڑے وقت میں زیادہ اجرت پاتا ہے۔

ے کوئی پیشہ ہو، زراعت، یا تجارت، یا کہ علم
چاہیے انسان کو پیدا کرے اُس میں کمال

کاملوں کی عمر بڑھ جاتی ہے خود کر لو حساب
باہنر کا ایک دن، اور بے ہنر کا ایک سال

ہر ایک پیشے میں سچائی، راست بازی اور ایمان داری سے نفع حاصل ہوتا ہے، دغا، فریب، چالاکی، طراری کا انجام ہمیشہ نقصان ہے؛ کیوں کہ دنیا میں اکثر کام ایک دوسرے کے اعتبار پر چلتے ہیں، اور جو ایک بار دغا کرتا ہے اُس کا اعتبار نہیں رہتا، اور جس کا اعتبار نہیں وہ کھوٹا پیسہ ہے جو بغیر بٹے کے ہرگز نہ چلے گا، یا کاٹھ کی ہنڈیا یا کاغذ کی ناؤ ہے جو ایک بار کے سوا کام نہ دے گی، جو شخص اپنے نفع کے واسطے دوسرے کو خسارہ دیتا ہے، وہ حقیقت میں خود خسارہ پاتا ہے۔ کاری گروں کو چاہیے کہ لوگوں کو دھوکے میں ڈالنے کی نیت سے کھوئی چیز میں نہ بنائیں، تاجروں کا فرض ہے کہ اپنے مال کی جھوٹی تعریف نہ کریں، جو عیب و نقص اُن کو معلوم ہو خریدار کو بتا دیں، کم تولنا، کم ناپنا فریب دینے کی غرض سے چیزوں میں آمیزش کرنا سخت گناہ ہے، خریدار کو لازم ہے کہ سودے کی دیکھ بھال ہوشیاری سے کرلے، نرخ کے چُکانے میں اُس کو حجت کرنے کا اختیار ہے؟ مگر جو ٹھہر گیا ہو اُس سے زیادہ چاہنا، یا داموں میں کمی کرنا، یا کھوٹے دام دینا، یا بیچنے والے کو دھمکانا نہایت کمینہ پن ہے۔

ے راستی سیدھی سڑک ہے جس میں کچھ کھٹکا نہیں
کوئی رہرو آج تک اس راہ میں بھٹکا نہیں

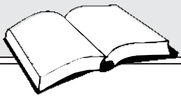


(۳۶) نمک

کھانے میں نمک نہ ہوتو کیسا پھیکا اور بے مزہ معلوم ہوتا ہے، مگر نمک کے استعمال سے صرف یہی منفعت نہیں، کہ وہ ہماری خوراک کومزے دار بنا دیتا ہے؛ بلکہ بڑا فائدہ یہ ہے کہ وہ غذا کو ہضم کرتا ہے، اس کے کھانے سے خون صالح پیدا ہوتا ہے، اگر آدمی نمک نہ کھائے تو بعض بیماریوں میں مبتلا ہو جائے۔نمک ایک مرتب شے ہے، وہ قدرتی طور پر دوعناصر سے مل کر بنا ہے، اگر وہ دونوں عنصر خالص حالت میں استعمال کیے جائیں، تو بجائے نفع کے نقصان پہنچائیں، یہ خدا کی حکمت ہے کہ ان دونوں کو ترتیب دے کر ایسی ضروری اور مفید چیز بنادی۔نمک کی بہت قسمیں ہیں، جونمک ہمارے کھانے میں آتے ہیں وہ نمک طعام کہلاتے ہیں، وہ بھی کئی طرح کے ہیں بعض سفید شفاف، بعض گلابی، بعضے خاکی یا نیل گوں نمک کی صفت یہ ہے کہ وہ آسانی سے توڑا اور پیسا جاسکتا ہے، پانی میں بہت جلد گھل مل جاتا اور مرطوب ہوا میں سیل جاتا ہے۔

تم نمک تو روزمرہ کھاتے ہوں، غالباً یہ نہ معلوم ہوگا کہ وہ کس جگہ بنتا اور کہاں سے آتا ہے، اس کی پیداوار ہر ملک میں جدا جدا طور پر ہے۔کہیں پہاڑ سے نکلتا ہے، کہیں سمندر سے، کہیں جھیل سے، ایک قسم کا لاہوری نمک کہلاتا ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ پنجاب کی مغربی حدود میں کوہ نمک سار ہے، وہاں سے وہ نمک نکلتا ہے، قدیم زمانے میں اس کی منڈی لاہور تھی؛ اس لیے لاہور کے نام سے معروف ہوگیا۔

بنگال، مدراس اور بمبئی میں سمندر کے پانی کو پکا کر نمک نکالتے ہیں، ہمارے ملک میں جونمک زیادہ تر کھایا جاتا ہے وہ راجپوتانے کی سانبھر جھیل سے آتا ہے، اور اسی لیے سانبھر کہلاتا ہے، یہ جھیل جے پور، جودھپور کی سرحد میں واقع ہے، ۲۰ میل لمبی اور قریب ۵ میل کے چوڑی ہے، پانی اس کا نہایت شور ہے جھیل کے کنارے کیاریاں بنا کر پانی سے لبریز کردیتے ہیں، کچھ عرصے میں پانی تو خاک کے اندر جذب ہوجاتا ہے اور نمک کی تہہ جم کر رہ جاتی ہے، جہاں اس کو کھود کر کنارے پر ڈالا اور پانی چھڑکا صاف ستھرا لون نکل آتا ہے، ہر سال لاکھوں روپے کا نمک تاجروں کے ہاتھ فروخت ہوتا ہے، اور گرد و نواح اضلاع کو لدا چلا جاتا ہے، محصول اس کا سرکاری خزانے میں داخل ہوتا ہے، اس زمانے میں تجارت کی آسانی کے لیے جھیل کے کنارے تک ریل بنادی گئی ہے، اس کے علاوہ اور بھی چھوٹی چھوٹی جھیلیں اور کنویں ہندوستان میں ہیں، جن کے پانی سے نمک نکالا جاتا ہے۔



(۳۷) صبح کی آمد

خبر دن کی آنے کی میں لارہی ہوں　　اجالا زمانے میں پھیلا رہی ہوں
بہارا اپنی مشرق سے دکھلا رہی ہوں　　پکارے گلے صاف چلارہی ہوں
اٹھو سونے والو! کہ میں آرہی ہوں

اذاں پر اذاں مرغ دینے لگا ہے　　خوشی سے ہر ایک جانور بولتا ہے
درختوں کے اوپر عجب چہچہا ہے　　سُہانا ہے وقت اور ٹھنڈی ہوا ہے
اٹھو سونے والو! کہ میں آرہی ہوں

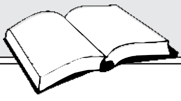
میں سب کار بہوار کے ساتھ آئی　　میں رفتار و گفتار کے ساتھ آئی
میں باجوں کی جھنکار کے ساتھ آئی　　میں چڑیوں کی چہکار کے ساتھ آئی
اٹھو سونے والو! کہ میں آرہی ہوں

یہ چڑیاں جو پیروں پہ میں غل مچاتی　　ادھر سے اُدھر اُڑ کے ہیں آتی جاتی
دموں کو ہلاتی پروں کو پھلاتی　　مری آمد آمد کے ہیں گیت گاتی
اٹھو سونے والو! کہ میں آرہی ہوں

جو طوطے نے باغوں میں ٹیں ٹیں بچائی　　تو بلبل بھی گلشن میں ہے چہچہائی
اور اونچی منڈیروں یہ شاماں بھی گائی　　میں سو سو طرح دے رہی ہوں دُہائی
اٹھو سونے والو! کہ میں آرہی ہوں

ہر اک باغ کو میں نے مہکا دیا ہے　　چمن سرخ پھولوں سے دہکا دیا ہے
نسیم اور صبا کو بھی اپکا دیا ہے　　مگر نیند نے تم کو بہکا دیا ہے
اٹھو سونے والو! کہ میں آرہی ہوں

ہوئی مجھ سے رونق پہاڑ اور بن میں　　کھلاتی ہوئی پھول آئی چمن میں
ہر ایک ملک میں دیس میں اور وطن میں　　بجھاتی چلی شمع کو انجمن میں
اٹھو سونے والو! کہ میں آرہی ہوں



جو اس وقت جنگل کی بوٹی جڑی ہے　　سو وہ نو لکھا ہار پہنے کھڑی ہے
عجب یہ سماں ہے عجب یہ گھڑی ہے　　کہ پچھلے کی ٹھنڈک سے شبنم پڑی ہے

اٹھو سونے والو! کہ میں آرہی ہوں

ہرن چونک اٹھے چوکڑی بھر رہے ہیں　　کلیلیں ہ راک کھیت میں کر رہے ہیں
ندی کے کنارے کھڑے چر رہے ہیں　　غرض مرے جلوے پر سب مر رہے ہیں

اٹھو سونے والو! کہ میں آرہی ہوں

میں تاروں کی چھاں آن پہنچی یہاں تک　　زمیں سے ہے جلوہ مرا آسماں تک
مجھے پاؤ گے دیکھتے ہو جہاں تک　　کرو گے بھلا کاہلی تم کہاں تک

اٹھو سونے والو! کہ میں آرہی ہوں

پجاری کو مندر کے میں نے جگایا　　موذن کو مسجد کے میں نے اٹھایا
بھٹکتے مسافر کو رستہ بتایا　　اندھیرا گھٹایا اُجالا بڑھایا

اٹھو سونے والو! کہ میں آرہی ہوں

لدے قافلوں کے بھی منزل سے ڈیرے　　کسانوں کے بل چل پڑے منہ اندھیرے
چلے جال کندھے پر لے کر مچھیرے　　دلدر ہوئے دور آنے سے میرے

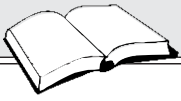
اٹھو سونے والو! کہ میں آرہی ہوں

بگل اور طبور، سنکھ اور نوبت　　بجانے لگے اپنی اپنی سبھی گت
چلی توپ بھی دن سے حضرت سلامت　　نہیں خوب غفلت نہیں خوب غفلت

اٹھو سونے والو! کہ میں آرہی ہوں

لو ہشیار ہو جاؤ اور آنکھ کھولو　　نہ لو کروٹیں اور نہ بستر ٹٹولو
خدا کو کرو یاد اور منہ سے بولو بس　　اب خیر سے اٹھ کے منہ ہاتھ دھولو

اٹھو سونے والو! کہ میں آرہی ہوں



بڑی دھوم سے آئی میری سواری — جہاں میں ہوا اب مرا حکم جاری
ستارے چھپے رات اندھیری سدھاری — دکھائی دیے باغ اور کھیت کیاری

اٹھو سونے والو! کہ میں آ رہی ہوں

میں پورب سے پچھّم پہ کرتی ہوں دھاوا — زمیں کے کُرہ پر لگاتی ہوں کاوا
میں طے کر کے آئی ہوں چین اور جاوا — نہیں کہتی کچھ تم سے اس کے علاوہ

اٹھو سونے والو! کہ میں آ رہی ہوں

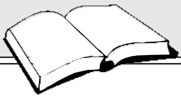
(۳۸) سچ کی تاثیر

ایک شریف خاندان کا نوعمر لڑکا علم وکمال حاصل کرنے کے شوق میں اپنے عزیز وطن کو چھوڑ دینے پر آمادہ ہے، وہ اپنی ضعیف ماں سے عرض کرتا ہے: اگر آپ اجازت دیں تو میں ایک قافلے کے ساتھ سفر کرنا چاہتا ہوں، جو عن قریب ہمارے ملک کی دارالسلطنت کو جانے والا ہے؛ کیوں کہ میں سنتا ہوں کہ اُس بڑے شہر میں ہر قسم کے کامل لوگ موجود ہیں، اور وہاں علم کا چرچا ہے۔

اس یتیم لڑکے کی یہ درخواست اگر چہ ماں کے دل کو غم گین کرنے والی تھی؟ لیکن اس دانا ماں کی محبت کا ولولہ عقل کے قابو سے باہر نہ تھا؛ اس لیے وہ اپنے پیارے بچے کی جدائی کو علم کی دولت کے مقابلہ میں گوارا کرسکتی تھی، چناں چہ اُس نے ہونہار بچے کے اس نیک خیال کو بہت پسند کیا، اور نہایت خوشی کے ساتھ اس کی درخواست کو منظور فرمایا۔

بزرگ ماں نے ضروری سامان سفر تیار کیا، اور جب کہ قافلے کی روانگی کا وقت آیا، تو چالیس روپے جن کا اُس عہد میں رواج تھا لڑکے کو حوالے کیے، لیکن اس نقدی کے علاوہ ایک اور چیز بھی عطا کی، جو کہ دنیا کے تمام جواہرات سے زیادہ بیش قیمت تھی۔ وہ کی نفیس چیز کان یا دریا سے نکلی ہوئی نہ تھی، بلکہ وہ نورانی دل کے سرچشمہ سے پیدا ہوئی تھی۔

وہ بے بہا چیز صرف یہ نصیحت تھی، کہ میرے پیارے بچے ہمیشہ سچ بولیو! آتی اپنے دل زبان اور ہاتھ کو سچا رکھیو! کیا ہی خوف وخطر پیش آئے سچ بات پر ثابت قدم رہیو! اب تو مجھ سے عہد کر کہ: ہمیشہ اس نصیحت پر عمل کروں گا،



سعادت مند لڑکے نے مہربان ماں کی باتیں غور سے سنیں، اور سچے دل سے عہد کیا کہ میں کسی حال میں اس کے خلاف نہ کروں گا، یہ کہہ کر سلامِ رخصت کیا، اور قافلے کے ہم راہ بغداد کو روانہ ہوا۔

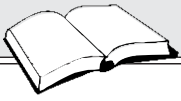
شاید قافلے نے دو تین ہی منزلیں طے کی تھیں، کہ اس نوعمر مسافر کی آزمائش کا وقت آن پہنچا: ناگاہ ایک زبر دست گروہ قزاقوں کا نمودار ہوا، اہل قافلہ اُن کا مقابلہ نہ کر سکے، ہر ایک شخص خوف زدہ اور بے قرار تھا، سوائے اس لڑکے کے جس کو اپنی سچائی پر پورا اعتماد تھا، اس کو یقین تھا کہ سچ مجھ کو ہر آفت سے بچائے گا، اور سچائی کی تلوار کا وار بھی خالی نہ جائے گا۔

جب قزاق ہر مسافر کی پوشیدہ نقدی طلب کر رہے تھے، اور جو شخص کچھ حیلہ یا عذر کرتا وہ اُن کے بے رحم ہاتھوں سے بُری طرح ستایا جاتا تھا، ایک قزاق نے لڑکے سے سوال کیا کہ جو کچھ تیرے پاس ہو بیان کر لڑکے نے بے تامل اپنے روپے کی تعداد بتادی، اس دلیرانہ سچے جواب نے قزاق کو دھوکے میں ڈال دیا، اسی طرح چند قزاقوں نے پوچھا، مگر اپنے رفیق کی طرح لڑکے کی طرف کسی نے توجہ نہ کی۔

آخر کار تمام قزاق مالِ غنیمت اکٹھا کرنے کے لیے ایک مقام پر جمع ہوئے، اُس وقت اپنے سردار سے لڑکے کا ماجرا بیان کیا، اُس کو یہ بات ایسی عجیب معلوم ہوئی، کہ فوراً اُس لڑکے کو طلب کر کے خود دریافت کرنے لگا، جب اس نے معلوم کیا کہ وہ عجیب لڑکا اپنے عہد پر ایسا ثابت قدم ہے، اور اپنی مہربان ماں کے حکم کی ایسی تعظیم کرتا ہے، تو اس کی حالت میں ایک بڑی تبدیلی پیدا ہوئی۔

اُس کو اپنے دل کے اندر سے ایک آواز آئی او احمد الفی! کیا تجھ کو شرم نہیں آتی! کہ یہ بچہ اپنی ماں کے عہد پر قائم ہے، اور تو اس بڑے مالک کے عہد کی بھی کچھ پرواہ نہیں کرتا، ناحق اُس کی خلقت کو ستاتا اور غارت کرتا ہے، اس آواز کے سنتے ہی قزاقوں کے سردار نے اپنے ظالمانہ پیشے سے فوراً توبہ کی، اور اُس کے تمام رفیقوں نے بھی اس کا ساتھ دیا۔

وہ تمام غارت گر جن کے سامنے لوٹ کے مال کا انبار لگا ہوا تھا، یکا یک ایسے رحم دل پارسا بن گئے، انھوں نے ہر ایک شخص کا مال واپس کر دیا، جن کو اذیت پہنچائی تھی اُن سے معافی چاہی، اور آئندہ تمام عمر نیکی کے ساتھ بسر کی، وہ سچا لڑکا جس کے سچ کی ایسی تاثیر ظاہر ہوئی، آئندہ زندگی میں ایک بڑا بزرگ شخص ہوا جس کا نام آج تک زندہ ہے، اور وہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے نام سے مشہور ہیں۔



(۳۹) سچ اور جھوٹ

سچ کہو، سچ کہو ہمیشہ سچ
ہے بھلے مانسوں کا پیشہ سچ

سچ کہو گے، تو تم رہو گے عزیز
سچ تو ہے، کہ سچ ہے اچھی چیز

سچ کہوگے، تو تم رہو گے شاد
فکر سے پاک رنج سے آزاد

سچ کہو گے، تو رہو گے دلیر
جیسے ڈرتا نہیں دلاور شیر

سچ سے رہتی ہے تقویت دل کو
سہل کرتا ہے سخت مشکل کو

جس کو سچ بولنے کی عادت ہے
وہ بڑا نیک با سعادت ہے

سچ ہے سارے معاملوں کی جان
سچ سے رہتا ہے دل کو اطمینان

سچ میں راحت ہے اور آسانی
سچ سے ہوتی نہیں پشیمانی

سچ ہے دنیا میں نیکیوں کی جڑ
سچ نہ ہو تو جہان جائے اُجڑ

سچ کہو گے تو دل رہے گا صاف
سچ سے ہو جائیں گے قصور معاف

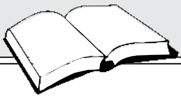
سچ سے زنہار در گذر نہ کرو
دل میں کچھ خوف اور خطر نہ کرو

وہی دانا ہے جو کہ ہے سچا
اس میں بوڑھا ہو یا کوئی بچا

ہے برا جھوٹ بولنے والا
آپ کرتا ہے اپنا منہ کالا

فائدہ اس کو کچھ نہ دے گا جھوٹ
جائے گا ایک روز بھانڈا پھوٹ

جھوٹ کی بھول کر نہ ڈالو خو
جھوٹ ذلت کی بات ہے اَخ تھو



(۴۰) ماں کی مامتا

ممتا ماں کی جانتے ہیں سب
ماں ہے بچے کی پرورش کا سبب

بھوک بچے کو ہے ستاتی جب
ماں سے کرتا ہے رو کے دودھ طلب

دودھ دیتی ہے پیار کرتی ہے
جان اُس پر نثار کرتی ہے

بچہ سینے سے جو رہا ہے چمٹ
پاؤں کی بھی ذرا نہ ہو آہٹ

نہیں لے سکتی بے دھڑک کروٹ
پاؤں کی بھی ذرا نہ ہو آہٹ

اوں اوں کرتی تھکتی جاتی ہے
ہولے ہولے سرکتی ہے

جب گیا وہ نہالچے پر سو
چھوٹے تکیے لگا دیے دو دو

کیے سب کام تھے ضروری جو
پر نہیں بھولتی ہے بچے کو

لیتی رہتی ہے ماں خبر ہر دم
اپنے بچے پہ ہے نظر ہر دم

ماں کو آرام کی کہاں فرصت؟
سوئی بے ڈھب تو آگئی شامت

کپڑے لتوں کی ہوئی کیا گت
ہے بچھونا بھی تربہ تر لت پت

صبح اٹھ کرکھنگا لیتی ہے تمام
جاڑے پالے کا وقت اور یہ کام

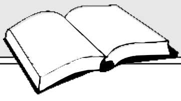
بچہ اتنے میں چونک اٹھا سو کے
ناک میں دم کیا ہے رو رو کے

ماں نے پھر لیا ہے خوش ہو کے
نیا کُرتا بدل کے منہ دھو کے

باتیں کرتی ہے پیار سے جوں جوں
بولتا ہے جواب میں ’’آغوں‘‘

رات کو لوریاں سناتی ہے
گود میں لے لے کے بیٹھ جاتی ہے

کس قدر زحمتیں اٹھاتی ہے
بچہ ہے اور ماں کی چھاتی ہے



کبھی کنڈی بجا کے بہلایا　　کبھی کندے لگا کے ٹہلایا

ماں کداتی اچھالتی ہے اُسے　　دیکھتی اور بھالتی ہے اُسے

ہر طرح پر سنبھالتی ہے اُسے　　اللہ آمیں سے پالتی ہے اُسے

دیکھ کر اس کا چاند سا مکھڑا　　بھول جاتی ہے اپنا سب دُکھڑا

جب لگایا ہے آنکھ میں کاجکل　　پڑا بچے کے تیوریوں میں بل

دونوں آنکھیں جو اس نے ڈالیں مل　　بچہ بے چین ہے تو ماں بے کل

چپ کیا جھنجھنا بجا کے اُسے　　سوئی خود پیشتر سُلا کے اُسے

اُس کا ہَپا جُدا پکاتی ہے　　انگلیوں سے اُسے چٹاتی ہے

باتیں کرنا اُسے بتاتی ہے　　پاؤں چلنا اُسے سکھاتی ہے

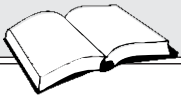
ماں کو بچے سے جو محبت ہے　　در حقیقت خدا کی رحمت ہے

(۴۱) تندرستی

جسم اور دماغ کے کاموں کا ٹھیک طور پر ہونا صحت اور تندرستی ہے، تندرستی ہی سے زندگی خوش گوار معلوم ہوتی ہے۔

ے　تندرستی اگر نہ ہو سالک　　تندرستی ہزار نعمت ہے

بہت سی آفتیں انسان کے پیچھے لگی ہوئی ہیں جن سے تندرستی میں خلل پڑتا ہے، لیکن اُن میں سے اکثر ایسی ہیں جن سے بچنا انسان کے اختیار میں ہے، بشرطیکہ وہ اپنی عقل وتمیز کو کام میں لائے، قدرتی قاعدوں کو سمجھے اور اُن پر عمل کرے؛ ہوا، پانی، غذا، لباس، موسم، زمین، مکان اور ورزش یہ ایسی ضروری چیزیں ہیں جن کے وسیلے سے تندرستی قائم رہتی ہے، جہاں ان میں خلل پڑا تندرستی میں فتور آیا۔



(۴۲) ہَوا

ہَوا سب سے زیادہ ضروری چیز ہے، دم بھر نہ ملے تو دم ہوا ہو جائے؛ اسی لیے قدرت نے اس کو ایسا بنایا ہے کہ ہم کو بے تردد، ہر جگہ اور ہر وقت مل سکتی ہے، یہ قدرتی قاعدہ ہے کہ آدمیوں اور جانوروں کے سانس لینے سے، آگ یا چراغ کے جلنے سے گھاس پات یا مردار کے سڑنے سے اور ہر قسم کی عُفونت کے پھیلنے سے ہوا خراب ہو جاتی ہے، کبھی یہ خرابی اتنی بڑھ جاتی ہے کہ انسان کے حق میں زہر قاتل ہوتی ہے مگر قدرت نے اس خرابی کا علاج بھی رکھ دیا ہے، جب تازہ ہوا کے جھونکے چلتے ہیں تو خراب ہوا کو اڑا لے جاتے ہیں، اس طرح اس کا نقص دور ہو جاتا ہے، پس ہوا کے چلنے اور بدلنے کے رستے کو ہرگز نہ روکنا چاہیے۔

درختوں سے بھی ہوا صاف ہوتی ہے، جو ناقص ہوا آدمیوں کے لیے مضر ہے وہ ان کے لیے مفید ہے، پتوں کے ذریعے سے درخت اُس کو چوس کر ترو تازہ ہوتے ہیں، مگر درختوں کے قریب رات کو سونا اچھا نہیں، اس وقت وہ ہوا ہے ان میں سے نکلتی ہے جو انسان کے لیے مضر ہے۔

(۴۳) پانی

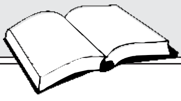
ہوا کے بعد پانی کی زیادہ احتیاج ہے، اُسی سے نباتات و حیوان کی حیات ہے، خالص پانی تمام روئے زمین پر ایک سا ہے؛ مگر زمین کی چیزیں جو گھل مل جاتی ہیں وہ اُس کے ذائقہ اور تاثیر کو بدل دیتی ہیں، کہیں کا پانی ہاضم اور شیریں ہوتا ہے، کسی جگہ کا ناگوار و شور۔

بڑے دریاؤں کا پانی چھوٹے ندی نالوں سے بہتر ہوتا ہے، مگر کپڑوں کے دھونے، جانوروں کے نہلانے، مُردوں کے بہانے اور غلاظت کے ڈالنے سے دریا کا پانی بھی خراب ہو جاتا ہے۔

کنواں جس قدر زیادہ گہرا ہو پانی اچھا ہوتا ہے، جو پانی قریب نکلتا ہے۔ اُس میں زمین کی گندگی زیادہ گھلی ہوتی ہے، آب نوشی کا کنواں ایسی زمین میں نہ کھودنا چاہیے جہاں مدت تک نجاست ڈالی گئی ہو، یا جس میں قبرستان ہو۔

کنویں کے پاک صاف رکھنے میں چند باتوں پر خاص توجہ لازم ہے:

(۱) من اتنی اونچی اور ڈھالو ہو کہ باہر کا پانی اندر نہ جا سکے۔



(۲) کنویں کے پاس پانی کا گڑھا یا کیچڑ یا کسی قسم کی غلاظت ہرگز نہ ہو۔

(۳) کنویں کے کنارے نہانا اور کپڑے دھونا نہ چاہیے۔

(۴) کنویں کے اندر درختوں کے پتے نہ جانے پائیں۔

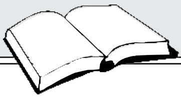
(۵) ڈول اور رسی کی صفائی کا بھی لحاظ رہے، لوٹوں کو مٹی مل کر کنویں میں ڈالنا برا دستور ہے۔

(۶) کبھی کبھی کنویں کی تہ سے کیچڑ مٹی کو نکال ڈالنا مناسب ہے۔

(۴۴) غذا

جو چیزیں ہم کھاتے ہیں ان کی خاصیتیں مختلف ہیں بعض تو بدن کی پرورش کرتی اور طاقت بڑھاتی ہیں، جیسے: گیہوں، چنا، دودھ، بعض چیزیں صرف گرمی کو قائم رکھتی ہیں، جیسے: روغن اور شکر، ہو سکے تو ہر قسم کی چیزیں کھاؤ؛ تاکہ ہر طرح کا فائدہ حاصل ہو، میوے اور ہری ترکاریاں بھی اکثر کھانی چاہئیں، اگر مدت تک یہ چیزیں نہ ملیں تو خون فاسد ہو جاتا ہے، بعض چیزوں کی کثرت بھی مضر ہے، مثلاً گھی شکر چاول سے بدن میں چربی بڑھتی ہے، چربی کی افزائش سے موٹاپا زیادہ اور طاقت کم ہو جاتی ہے، جو غذائیں حرارت کو بڑھاتی ہیں، جیسے گھی، گوشت اور مغزیات، اُن کا بھی کھانا زیادہ سرد ملک اور سرد موسم میں مناسب ہے، گرم ملک اور گرم موسم میں غلہ، دودھ، ترکاری اور پھل زیادہ موافق آتے ہیں۔

مصالحہ کی بھرمار بھی معدے کو بگاڑ دیتی ہے، صرف اتنا چاہیے جس سے کھانے کے ذائقے اور تاثیر کی اصلاح ہو جائے، کھانا اُس وقت کھاؤ جب کہ پہلا کھانا ہضم ہو چکا ہو، رات کا کھانا اتنی دیر کر کے نہ کھاؤ کہ کھاتے ہی سو جاؤ، ایک بار بہت کھانے سے کئی بار تھوڑا تھوڑا کھانا بہتر ہے، کم کھانے سے اتنی مضرت نہیں پہنچتی جتنی زیادہ کھانے سے، کچا کھانا، سڑا بُسا کھانا نہایت مضر ہے، جن برتنوں میں کھانا پکتا ہے اُن کو خوب صاف رکھنا لازم ہے، اگر تانبے کے ہوں تو اُن پر قلعی ہونی چاہیے، تانبے کا زنگار سخت زہر ہے۔



(۴۵) لباس

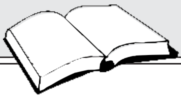
باہر کی گرمی سردی کی شدت سے بدن کو محفوظ رکھنا واجب ہے؛ تا کہ اُس کی اندرونی حرارت اعتدال کے ساتھ قائم رہے، بدن کی جلد سے بھی یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے، مگر اس سے کامل حفاظت نہیں ہوسکتی، جانوروں کو کھال کی امداد کے لیے اوُن اور پر عطا کیے گئے ہیں، انسان کو لباس تیار کرنے کی حکمت دی گئی ہے، پس لباس ایسا ہونا چاہیے کہ سردی کے وقت اندرونی حرارت کو خارج ہونے سے، اور گرمی کے وقت بیرونی گرمی کو بدن میں سرایت کرنے سے روکے، سخت موسموں میں اون یا روئی کے دبیز کپڑے موزوں ہوتے ہیں، معتدل موسم میں ہلکے کپڑے۔

تمام جسم میں سر اور دھڑ زیادہ حفاظت کے قابل ہیں، بچوں کو لباس کی سب سے زیادہ ضرورت ہے، سردی لگنے سے وہ بہت جلد بیمار ہو جاتے ہیں، بڑھاپے میں اصلی حرارت کم ہو جاتی ہے؛ اس لیے جوانوں کی بہ نسبت بوڑھوں کو لباس کی زیادہ حاجت ہے۔

سونے کی حالت میں بدن کی اصلی گرمی زیادہ نکلتی ہے، خصوصاً فصل بہار میں پچھلی رات کی خنکی اور شبنم بہت بُرا اثر کرتی ہے، ایسے وقت میں بدن کو گرم رکھنے کے لیے سایہ کی جگہ، یا اوڑھنے بچھونے کا معقول سامان ہونا چاہیے، تر لباس پہننا ہمیشہ مضر ہے، اُس کو جھٹ پٹ سکھا لو یا بدل ڈالو، میلا، کثیف اور بدبودار لباس بھی تندرستی میں خلل ڈالتا ہے، موٹے جھوٹے کم قیمت کپڑے کا مضائقہ نہیں مگر صاف اور ستھرا ضرور ہو۔

کپڑے کو دھوپ دکھانے سے پسینہ وغیرہ کی بو رفع ہو جاتی ہے، گرد و غبار جھاڑنے جھٹکنے سے اور میل کچیل دھونے سے دور ہوتا ہے۔

لباس کی مقدار اور وضع حیا اور ادب کے برخلاف نہ ہونی چاہیے، بدن کے دو حصے ضرور پوشیدہ رہیں جن کا پوشیدہ رکھنا واجب ہے، خوش رنگ، پھول دار اور زریں کپڑے زیب و زینت کے لیے ہوتے ہیں، مگر ایسا مہین کپڑا پہننا جس سے نہ بدن کی حفاظت ہو نہ پردہ محض فضولی اور حماقت ہے۔



(۴۶) موسم

مناسب درجے کی گرمی، تری صحت کے لیے مفید ہوتی ہے، زیادہ گرم وسرد یا زیادہ خشک وتر موسم بھی تندرستی میں فتور ڈالتا ہے۔

(۴۷) زمین

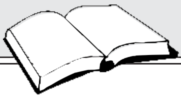
جس قِطعہ زمین پر مکان بنایا جائے وہ خشک اور پاکیزہ ہونا چاہیے، خشک وہی مقام رہتا ہے جو بلند اور پانی ڈھال ہو، نشیب کی جگہ، یا جھیل، تالاب اور دلدل کے قریب تری نمی رہتی ہے، اور تری نمی سے ہوا خراب ہوتی ہے، جس زمین کے نیچے گندگی دبی ہوئی ہو وہاں رہنا یا مکان بنانا ہرگز نہ چاہیے، زمین کے سوراخوں میں ہوا گھس جاتی ہے، اُس کے ساتھ اندر کی کثافت باہر آتی ہے، اور اُس جگہ کی تمام ہوا کو بگاڑ دیتی ہے۔

(۴۸) مکان

مکان کے بنانے کی بڑی غرض تو یہ ہے، کہ دھوپ بارش اور سردی کی اذیت سے پناہ ملے، مگر اس کے ساتھ روشنی اور حرارت کے اعتدال کا اور ہوا کی تبدیلی کا بھی لحاظ رکھنا نہایت ضروری ہے، اس مقصد کے واسطے در یچے، روشن دان مناسب طور سے رکھنے چاہئیں۔

تنگ و تاریک مکان میں جہاں روشنی اور ہوا کا گذر بخوبی نہ ہو، انسان تندرست نہیں رہ سکتا، تنگ اور بند مکانوں میں آدمیوں کا ہجوم ہونا یا آگ کا جلنا نہایت خوف ناک بات ہے، زچہ اور بچہ کو تازہ ہوا اور روشنی سے محروم رکھنا برا طریقہ ہے؛ اسی وجہ سے اکثر بچے ضائع ہوتے ہیں، آدمی جس مکان میں رہتے ہوں وہیں جانوروں کا باندھنا بہت برا ہے۔

مکان کے فرش اور صحن کو مٹی اور کوڑے سے، چھتوں اور دیواروں کو مکڑی کے جالوں سے ہمیشہ پاک صاف رکھنا



چاہیے۔

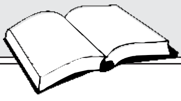
کبھی کبھی سوندھی مٹی سَنی سے لیپنا پوتنا، چونے کی سفیدی پھیرنا، ہوا کی صفائی اور مکان کی خوش نمائی کے لیے ضروری بات ہے، مناسب موقعوں پر بیل بوٹوں کا لگانا اور پھلواری کا بونا بھی مفید ہے، مگر زیادہ سبزی اور جھاڑ جھنکاڑ کا ہونا بھی اچھا نہیں، برتنوں اور کپڑوں کا دھوون اور غسل کا پانی صحن میں مت بہاؤ، نہ گھر کی زمین میں جذب ہونے دو، اس کے بہ جانے کے لیے نالی بنا دینی چاہیے۔

پاخانے کی صفائی پر زیادہ توجہ لازم ہے، جب تک غلاظت اٹھائی جائے مٹی یا راکھ اس پر ڈال دینی چاہیے، اس سے ہوا میں بدبو نہ پھیلنے پائے گی، گھر کے آس پاس کوڑے کا انبار یا مرجھائی ہوئی نباتات کا ڈھیر ہرگز نہ لگنے دو، اگر بستی میں صفائی کا انتظام نہ ہو، تو جہاں تک ہو سکے گھر سے بہت دور فاصلے پر کوڑا ڈالو۔

(۴۹) غسل

ہمارے بدن کی جلد میں نہایت باریک باریک سوراخ ہیں جن کو مَسام کہتے ہیں، ان مسامات کی راہ سے ہر دم ناقص اور فضول چیزیں نکلا کرتی ہیں، جِلد کا بیرونی چھلکا بھی ہمیشہ مردار ہوتا رہتا ہے، گرد و غبار بھی ہوا میں سے جِلد پر بیٹھ جاتا ہے، اس طرح میل کی تہیں جمتی چلی جاتی ہیں اور مسامات کو بند کر دیتی ہیں، ان کے رُکنے اور کھال کے میلے رہنے سے بعض بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں، اس لیے تن درست آدمی کو ہر روز غسل کرنا مفید ہے، غسل سے طبیعت کو فرحت اور ہاضمے کو تقویت ہوتی ہے، صبح کے وقت نہانا بہتر ہے، مگر کھانا کھاتے ہی یا شدت کی بھوک میں نہانا مضر ہے۔

بچے، بوڑھے اور ناتواں آدمی کے لیے نیم گرم، جوان اور قوی کے واسطے سرد پانی سودمند ہے مگر موسم کے لحاظ سے پانی کے مزاج کو تبدیل کرنا مناسب ہے، پانی صاف ستھرا ہو، میلا یا مکدر نہ ہو، زیادہ دیر تک پانی میں رہنا اچھا نہیں، مگر جھوٹ موٹ تھوڑا سا پانی بہا لینا بھی کچھ مفید نہیں، بدن کو خوب دھونا اور صاف کرنا چاہیے، اگر میسر ہو تو صابن کا استعمال بھی کرو، اس سے پسینے کا کھار اور میل خوب کٹ جاتا ہے غسل کے بعد فوراً بدن اور بالوں کو صاف کپڑے سے پونچھ ڈالو، بدن کے تر رہنے اور ٹھنڈی ہوا کے لگنے سے نقصان ہوتا ہے۔



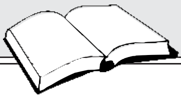
(۵۰) آدمی

دنیا میں بادشاہ ہے، سو ہے وہ بھی آدمی
اور مفلس و گدا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی
زر دارو بے نوا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی
نعمت جو کھا رہا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی
ٹکڑے جو مانگتا ہے،سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی پہ جان کو وارے ہے آدمی
اور آدمی کو تیغ سے مارے ہے آدمی
پگڑی بھی آدمی کی اُتارے ہے آدمی
چلا کے آدمی کو پکارے ہے آدمی
اور سن کے دوڑتا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

ایک آدمی ہیں جن کے یہ کچھ زرق برق ہیں
روپے کے ان کے پاؤں ہیں،سونے کے فرق ہیں
جھمکے تمام غرب سے لے تا بہ شرق ہیں
کمخواب،تاش،شال، دوشالوں میں غرق ہیں
اور چیتھڑوں لگا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

اشراف اور کمینے سے لے شاہ تاوزیر
ہیں آدمی ہی صاحب عزت بھی اور حقیر
یاں آدمی مرید ہیں اور آدمی ہی پیر
اچھا بھی آدمی ہی کہاتا ہے اسے نظیر
اور سب میں جو براہے سو ہے وہ بھی آدمی



(۵۱) ملمع کی انگوٹھی

چاندی کی انگوٹھی پر جو سونے کا چڑھا جھول
اوچھی تھی لگی بولنے اترا کے بڑا بول!

چاندی کی انگوٹھی کے نہ میں ساتھ رہوں گی
وہ اور ہے میں اور، ذلت نہ سہوں گی

میں قوم کی اونچی ہوں بڑا میرا گھرانا
وہ ذات کی گھٹیا ہے، نہیں اُس کا ٹھکانہ

میری سی چمک اُس میں، نہ میری سی دمک ہے
چاندی ہے کہ ہے رانگ، مجھے اس میں بھی شک ہے

میری سی کہاں چاشنی میرا سا کہاں رنگ؟
وہ مول میں اور تول میں میرے نہیں پاسنگ

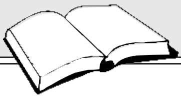
اے دیکھنے والو! تم ہی انصاف سے کہنا
چاندی کی انگوٹھی بھی ہے کچھ گہنوں میں گہنا!

سنتے ہی چاندی کی انگوٹھی بھی گئی جل
اللہ رے ملمع کی انگوٹھی! ترے چھل بل

سونے کے ملمع نہ اترا مری پیاری
دو دن میں بھڑک اِس کی اتر جائے گی ساری

مت بھول کبھی اصل کو اپنی اری احمق!
جب تاؤ دیا جائے گا ہو جائے گا منہ فق

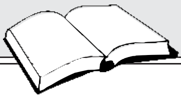
بچے کی تو عزت ہی بڑھے گی جو کریں جانچ
مشہور مثل ہے کہ: ’’نہیں سانچ کو کچھ آنچ



کچھ دیر حقیقت کو چھپایا بھی تو پھر کیا!
جھوٹوں نے جو سچوں کو چڑایا بھی تو پھر کیا!
کھوٹے کو کھرا بن کے نکھرنا نہیں اچھا
چھوٹے کو بڑا بن کے اُبھر نا نہیں اچھا

(۵۲) ریل گاڑی

حیواں ہے وہ نہ انساں، جن ہے نہ وہ پری ہے
سینے میں اُس کے ہر دم اک آگ سی بھری ہے
کھاپی کے آگ پانی چنگھاڑ مارتی ہے
سر سے دھواں اُڑا کر غصہ اتارتی ہے
وہ گھورتی گرجتی بھرتی ہے اک سپاٹا
ہفتوں کی منزلوں کو گھنٹوں میں اُس نے کاٹا
آتی شور کرتی جاتی ہے غل مچاتی
وہ اپنے خادموں کو ہے دور سے جگاتی
بے خوف و بے مُحابا ہر دم رواں دواں ہے
ہاتھی بھی اُس کے آگے اک مور ناتواں ہے
آندھی ہو یا اندھیرا، ہے اُس کو سب برابر
یکساں ہے نور و ظلمت اور روز و شب برابر
اُتر سے لے دکھن تک، پورب سے لے پچھاں تک
سب ایک کردیا ہے، پہنچی ہے وہ جہاں تک
بجلی ہے یا بگولا، بھونچال ہے کہ آندھی
ٹھیکے پہ ہے پہنچتی، بچوں کی ہے وہ باندھی



ہر آن ہے سفر میں، کم ہے قیام کرتی
رہتی نہیں معطل، پھرتی ہے کام کرتی

پردیسیوں کو جھٹ پٹ پہنچا گئی وطن میں
ڈالی ہے جان اُس نے سوداگری کے تن میں

ہر چیز سے نرالی ہے چال ڈھال اُس کی
پاؤ گے صنعتوں میں کمتر مثال اُس کی

برکت سے اُس کی بے پَر پر دار بن گئے ہیں
ملک اُس کے دم قدم سے گل زار بن گئے ہیں

ہم کہہ چکے مفصل جو کچھ ہے کام اس کا
جب جانیں تم بتادو بِن سوچے نام اس کا

جی ہاں! سمجھ گیا میں، پہلے ہی میں نے تاڑی
وہ دیکھو! آگرے سے آتی ہے ریل گاڑی

(۵۳) زراعت

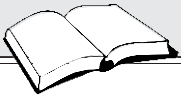
(۱) کھیتی کے کام

آپ نے یہ تو فرمایا تھا کہ کھیتی کے کاموں کو زراعت کہتے ہیں، اب مہربانی فرما کر یہ بتا دیجیے کہ زراعت کے لیے کیا کیا چیزیں ضروری ہیں؟ سنو!

زمین: اول تو بڑی چیز زمین ہے، جو زمین نہ ہو تو کھیت کہاں بنائیں؟ اگر کھیت نہ ہو تو غلہ جس کے کھانے پر ہماری زندگی کا مدار ہے کیوں کر پیدا ہو؟

ہل: یہ بھی ضروری اوزار ہے جس کے ذریعہ سے کھیت جوت کر مٹی کو ملائم کرتے ہیں، جمی جمائی سخت مٹی میں بیج نہیں بویا جا سکتا، اگر ہل نہ ہو تو تم ہی بتاؤ کھیت کیوں کر جوتیں؟

سراون: اس اوزار سے جوتے ہوئے کھیت کے ڈھیلے ٹوٹ پھوٹ کر مٹی باریک ہوتی، اونچی نیچی مٹی برابر ہو کر



دب جاتی، اورکھیت چورس بن جاتا ہے۔

بیل: یہ تو بہت ہی بڑا مددگار ہے، جو بیل نہ ہوں تو ہل اور سراون کون چلائے؟ بیج بونے کے لیے کھیت کیوں کر تیار ہو؟

نوٹ:(۱) فن زراعت میں زمین سے مراد مٹی ہے ایسے کھیت طلبہ کو دکھانے چاہئیں جن کی مٹیاں مٹیار دومٹ اور پھوڑ ہوں۔(مٹیار: اعلی درجہ کی زمین جس میں ریت نہ ہو۔ دومٹ: وہ زمین جس میں مٹی اور ریت ملی ہوئی ہو۔ پھوڑ: ریتیلی زمین)۔

(۲) جو ہل کسی مقام پر مستعمل ہو طلبہ کو دکھا کر اس کا نام بتانا چاہیے۔

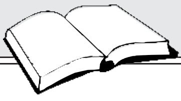
(۳) سراون کو کہیں پہن گا کہیں پٹیلا بھی کہتے ہیں مگر طلبہ کو سراون ہی یاد کرانا چاہے۔

(۴) بیل بھی دکھانے چاہئیں اچھی ذات اور اچھے کھیت کے اور ان کی ذات اور کھیت بتانا چاہیے۔

بیج: اصل چیز یہ ہے جس سے نیا پودا پیدا ہوتا ہے، جو بیج ہی نہ ہوں تو ہوئیں کیا خاک؛ پھر تو سب چیزیں بے کار ہیں۔ جوتائی، بوائی سنچائی، نرائی، کٹائی، مڑائی(گاہنا) اور اوسائی یہ سب زراعت کے کام ہیں، جو زمین سے پیداوار حاصل کرنے کے لیے کیے جاتے ہیں۔

(۲) ہل اور جوتائی

لو دیکھو! یہ ہل ہے جس سے کھیت کی جوتائی کرتے ہیں۔ سارا ہل لکڑی کا بنا ہوا ہے، صرف یہ پھال لوہے کی ہے جس کی نوک زمین میں دھنستی ہے، یہ تو بتایئے ہل کیوں کر چلاتے ہیں؟ آؤ! تم کو ہل چلا کر دکھائیں: دو بیلوں کے کاندھے پر ماچی رکھی، پھر ماچی سے ہل کی یہ لمبی لکڑی ہریس باندھی، ہل کی مٹھیا ہاتھ میں پکڑ کر بیلوں کو سیدھا ہانک دیا؛ دیکھو! بیلوں کے چلنے سے ہل کی پھال زمین کے اندر اندر آگے بڑھتی ہے، زمین پھاڑتی مٹی کو توڑتی ایک نالی بناتی چلی جاتی ہے، اس نالی کو کونڈ کہتے ہیں؟ بس اسی طرح کی سارے کھیت میں ہل چلانے سے جمی ہوئی مٹی اکھڑ کر ٹوٹ جاتی ہے۔ یہ بھی یاد رکھو کہ ایک دفعہ سارا کھیت کھڑا(لمبائی میں) دوسری مرتبہ سارا کھیت آڑا(چوڑائی میں) جوتے ہیں، کئی بار کی آڑی اور کھڑی جوتائی سے کل کھیت کی مٹی چھ سے لے کر آٹھ انگل تک اکھڑتی اور ٹوٹتی ہے، ہر جوتائی کے بعد سراون چلاتے ہیں، اس سے کھیت کی اونچی نیچی مٹی برابر ہو کر دب جاتی ہے۔



(۳) سراون اور میائی

سراون کیا ہے؟ یہ ہی لکڑی کی موٹی ڈھنی ہے جس سے کھیت میاتے ہیں۔

سراون کیوں کر چلاتے ہیں؟ اس کے دونوں سروں کے پاس دو کھونٹیاں ہیں: ایک کھونٹی میں ایک ایک یا دو دو بیل رسی سے باندھ دیتے ہیں، اور ہانکنے والیسراون پر کھڑے ہو کر بیلوں کو ہانکتے ہیں۔

ہانکنے والے سراون کے اوپر کیوں کھڑے ہوتے ہیں؟ ان کے کھڑے ہونے سے یہ فائدہ ہے کہ سراون کے اوپر بوجھ زیادہ پڑتا ہے، جس سے مٹی خوب ٹوٹتی اور دبتی ہے۔

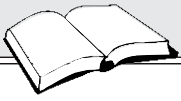
میائی کسے کہتے ہیں؟ سراون میں بیل باندھ کر جوتے ہوئے کھیت میں اس کو چلانا تاکہ کھیت کی مٹی ملائم اور باریک ہو جائے، اس کام کو میائی کہتے ہیں۔

نوٹ: جو ہل مدرسے کے گردونواح میں چلتا ہو وہ طلبا کو دکھایا جائے اس کے پرزوں کے نام اور کام بتائے جائیں پھر بیلوں کی جوت سے ہل کا باندھنا کھیت میں چلانا اسے کون کا بنا بھی ضرور دکھانا چاہیے۔ جوتائی کی عمدگی یہ ہے کہ وہ کونٹوں کے بیچ میں بے جوتی زمین (ستر) نہ چھوٹنے پائے کونر سیدھی اور اس کی گہرائی یکساں ہو۔

یہ بتایئے کہ میائی سے کیا فائدہ ہے؟ میائی سے کھیت کے ڈھیلے ٹوٹتے اور مٹی باریک ہوتی ہے، اونچی جگہ کی مٹی کھسک کر نیچی جگہ آجاتی ہے اور کھیت چورس بن جاتا ہے، اور مٹی دب جاتی ہے۔ مٹی کو پہلے اکھیڑنا پھر دبانا، اس سے کیا حاصل؟ مٹی کے اکھیڑنے سے تو یہ مطلب ہے کہ وہ ریزہ ریزہ اور باریک ہو جائے، پھر دبا دینے سے یہ فائدہ ہے کہ کھیت کی رطوبت یا تری جلدی نہیں سوکھنے پاتی۔ کھیت کو بار بار جوتنے اور میانے سے کھیت کی مٹی رس پر آتی ہے، اور کھیت بیج بونے کے واسطے تیار ہو جاتا ہے۔

(۴) بیل

بتاؤ یہ کیا جانور ہے؟ یہ تو بیل ہے، دیکھو! کیا خوب صورت اور مفتی جانور ہے۔ محنتی جانور جیسے: بیل گائیں بھینسے اور بھینسیں مویشی کہلاتے ہیں، مویشی زراعت کے کیا کیا کام کرتے ہیں؟ ہل چلاتے ہیں جس سے ہمارے کھیتوں کی جمی ہوئی مٹی ٹوٹی اور اکھڑتی ہے، سراون چلاتے ہیں جس سے بوئے ہوئے کھیتوں کی مٹی ٹوٹ کر باریک ہوتی اور دبتی ہے، کھیت چورس ہو جاتا ہے، مویشی کنویں سے پانی کھینچتے ہیں جس سے ہمارے بوئے ہوئے کھیتوں کے پودوں کی سنچائی ہوتی ہے،



(۵) بیج اور بوائی

تم بتا سکتے ہو بیج کیا چیز ہے؟ بیج دانے ہیں جو پھلوں کے اندر ہوتے ہیں، ان کے ہونے سے نیا پودا اگتا ہے، اچھا بوائی کسے کہتے ہیں؟ بیج کو نرم و باریک مٹی میں دبا دینا بوائی کہلاتا ہے۔

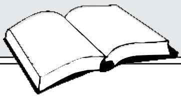
بیج بونے کے کیا کیا طریقے ہیں؟ ایک تو اس طرح بویا جاتا ہے کہ تیار کھیت میں بیج کو ہاتھ سے چھیٹ دیا اور ہل چلا کر مٹی میں دبا دیا، اس کو چھیٹوا ں بوائی کہتے ہیں مگر زیادہ تر اس طرح ہوتے ہیں کہ تیار کھیت میں ایک آدمی تو ہل چلاتا ہے، دوسرا آدمی ہل کے پیچھے کونڑ میں بیج ڈالتا جاتا ہے، اس کو کونڑواں بوائی یا ہل کے پیچھے بوائی کہتے ہیں۔

سب سے بہتر طریق یہ ہے کہ سیدھی قطاروں میں بیج بویا جائے، اول ہل چلا کر کھیت میں سیدھی کونڑیں بناؤ، اور برابر دوری پر بیج کو ہاتھ سے ڈالتے چلے جاؤ، پھر سراون چلا کر کھیت کی مٹی برابر کرو، اس کو لین کی بوائی کہتے ہیں۔ نائی ہل سے بھی بیج خوب بویا جاتا ہے، اس کے سوا اور بھی اوزار ہیں جن سے بیج اچھی طرح بو سکتے ہیں، بونے والے کو بھی آرام ملتا ہے اور بیج بھی خراب نہیں ہوتا۔ یاد رکھو! اچھے بیج کا پودا بھی اچھا ہی ہوتا ہے؛ اس لیے کھیت میں اچھا اچھا بیج چُن چھانٹ کر بونا چاہیے، اور بونا بھی اس انداز سے کہ بیج برابر پڑے: ایسا نہ ہو کہ کہیں زیادہ کہیں کم، اگر بیج برابر نہ پڑے گا تو پودے کہیں گھنے ہوں گے کہیں چھدرے، یہ بھی لحاظ رہے کہ بیج یکساں گہرائی میں دبایا جائے؛ ورنہ بیج آگے پیچھے جمیں گے، اور اسی طرح آگے پیچھے پک کر تیار ہوں گے۔

(٦) کھاد

تم جانتے ہو! کھاد کس کو کہتے ہیں؟ جی ہاں! کھاد پودے کی غذا ہے جس کو جڑیں زمین سے لیتی ہیں۔ یہ بتاؤ! کھاد جو پودے کو زمین سے ملتی ہے تو کس حالت میں؟ پودے کو اُس کی کھاد زمین سے اُسی حالت میں مل سکتی ہے جب کہ وہ پانی میں گھلی ہوئی ہو۔

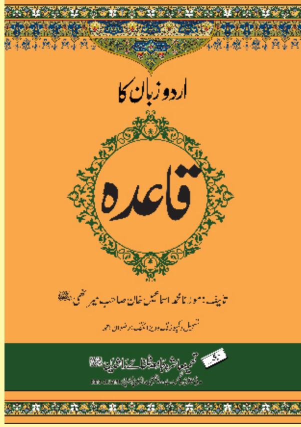
فرض کرو: زمین بالکل خشک ہو جائے تری نام کو نہ رہے تو پودے کی کیا کیفیت ہو؟ پھر تو سب پودے سوکھ ساکھ کر مر جائیں، بس پانی کیا ہے؟ گویا پودوں کی کھاد ہوتی ہے۔ کیا سب زمینوں میں پودے کی کھاد ہوتی ہے؟ بے شک اچھی زمینوں میں تو ضرور ہوتی ہے، ان کو قابل زراعت یا کھتار زمینیں کہتے ہیں، لیکن بعض میں نہیں بھی ہوتی، ان کو نا قابل زراعت یا اُوسر زمینیں کہتے ہیں۔ زمین میں کھاد کہاں سے آتی ہے؟ مرے ہوئے پودوں سے، ان کے حصوں

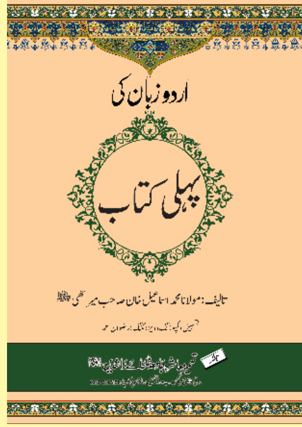


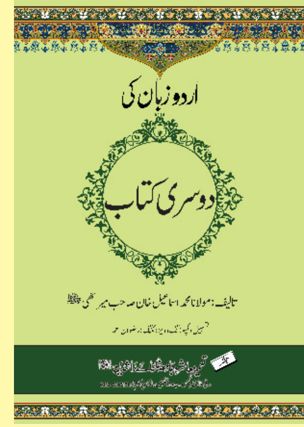
سے جیسے پتیاں ہیں، جانوروں کے گوبر اور مینگنی سے، مرے ہوئے جانوروں کے سڑنے گلنے سے کھاد زمین میں جمع ہوتی رہتی ہے۔

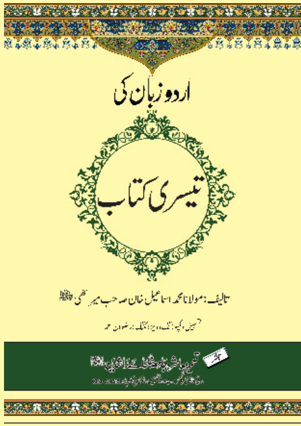
زمین میں گڑھے کھودتے ہیں، پھر نباتی اور حیوانی چیزیں اُن میں بھر کر بند کر دیتے ہیں، تو وہ چیزیں سڑ گل کر آخر کار کھاد بن جاتی ہیں، اس کھاد کو ہم کھیتوں میں دیتے ہیں، کھیتوں میں کھاد کو برابر برابر پھیلاتے، پھر ہل سے جوتی کر مٹی میں ملا دیتے ہیں۔

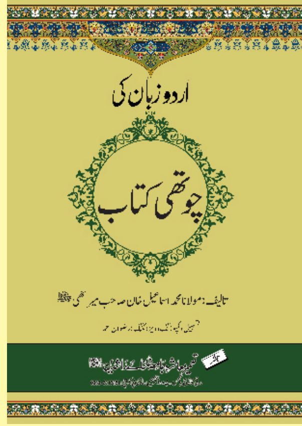
نوٹ: پودے جس چیز کو مٹی سے لے کر پرورش پاتے ہیں اُس کو کھاد کہتے ہیں جب تک کھاد زمین میں رہتی ہے پودے اُس پر اگتے اور بڑھتے ہیں جب زمین میں کھاد باقی نہیں رہتی تو وہ بنجر یا اوسر ہو جاتی ہے اصل چیز جس پر زمین کی قدر و قیمت ہوتی ہے وہ پودے کی کھاد ہے اور کھاد زمین میں اسی وقت جمع ہوتی ہے جب کہ زمین گھری ہوئی ہو اور دھوپ میں رہے۔

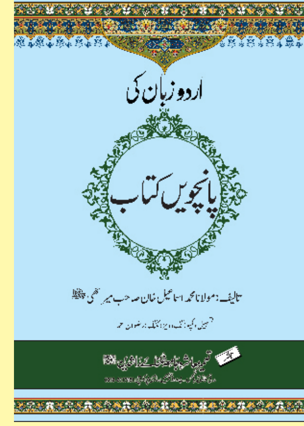


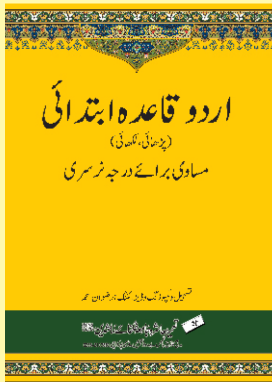


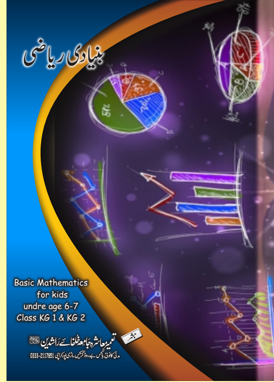


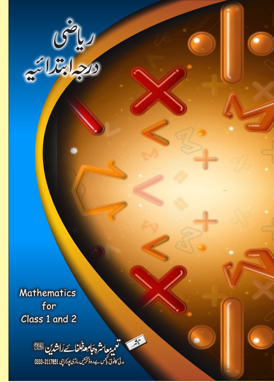


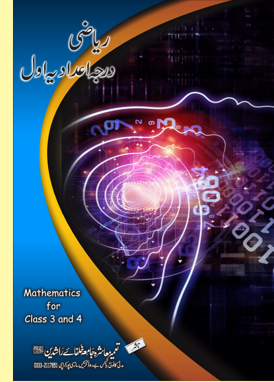


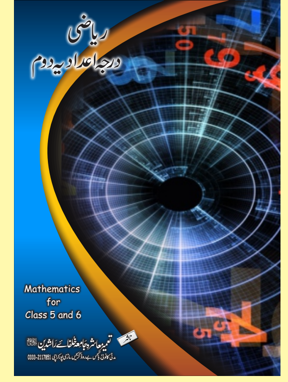












ناشر

تعمیر معاشرہ جامعہ خلفائے راشدین

مدنی کالونی، ہاکس بے روڈ گریکس، ماڑی پور کراچی 0333-2117851